

حشمت النساء، ہماری زمانہ تعلیم کے ان بہترین نتائج میں جن سے ہماری بڑی کمالات قائم ہیں ایک جناب طیبہ بیگم بکرا سیہ (بنت نواب عماد الملک مولوی سید حسین بکرامی) کا وجود تھا، انھوں نے ایسے باپ کے آغوش میں تعلیم پائی تھی جو مشرق و مغرب کا سنگم تھا، لیکن افسوس کہ مرحومہ نے گذشتہ سال ۳- جون ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا، مجلس خواتین اسلام (سکیم بیڈیز کانفرنس) کے اجلاس کھلکتے کی صدارت کے لئے بھی ان کا انتخاب ہو چکا تھا،

مرحومہ کے شوہر خدیو جنگ اور ان کے صاحبزادہ مرزا علی یار خان صاحب نے مرحومہ کی حیات مانیہ کے لئے یہ مناسب سمجھا ہے کہ انکے قلم کی یادگاروں کو علیہ طبع سے آراستہ کر دین، اس سلسلہ میں مرحومہ کی پہلی تصنیف حشمت النساء کو شائع کیا ہے، یہ بڑی تقطیع کے ۶۵ صفحوں کا افسانہ ہے، جہیں حشمت النساء بیگم کا ایک دلچسپ قصہ لکھا گیا ہے، افسانہ نگاری کے اصول کی پوری پیروی کی گئی ہے، زبان دوسری زمانہ تصنیفات کی طرح مصنوعی مردانہ نہیں، بالکل ٹھیک عورتوں کے بول چال میں ہے حشمت اقصہ کی میروئن کے حالات آغاز سے اختتام تک اس اعلیٰ تصور کے مطابق لکھے گئے ہیں، جس طرح ایک مسلمان خاتون کو ہونا چاہیئے، تعلیم، شادی بیاہ اور رسوم کی اصلاح کی اس ذریعہ سے کوشش کی گئی ہے، قیمت ۱۲، سکے عثمانیہ، ہم سکے انگریزی، پتہ: علی منزل کوہ نور، خیرت آباد، حیدر آباد دکن، زچہ اور بچہ: ڈاکٹر رونتھ نینگ نے زچہ کی حفاظت اور خبر گیری کے اصول اور بچوں کی پرورش کے متعلق ضروری ہدایات اس رسالہ میں جمع کئے ہیں، سید اظہر علی صاحب ایم، اسے منشی فضل نے اسکا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اور انجمن یہودی اور ان دیچکان بنا کردہ لیڈی چیمفروڈ دہلی نے چھپوا کر اسکو شائع کیا ہے، ترجمہ عمدہ، رسالہ پر معلومات، لکھائی چھپائی عمدہ، صفحات ۹۸، چھوٹی تقطیع، قیمت ۱۲، غالباً انجمن مذکور کے دفتر سے لیگا،

جلد ہفتم

ماہ شوال ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۲ء

عدد دہشتم

## مضامین

## شذرات

۲۰۲-۲۰۴

۲۰۸-۲۱۴

مید سلیمان ندوی

خلافت عثمانیہ اور سچی دنیا کا اعتراف

## شائستگی نیکیتان

۲۱۸-۲۲۵

۲۲۸-۲۳۶

کتب خانہ اسکندریہ

## جامعہ مصریہ

۲۲۹-۲۵۲

بخارا کا نظام حکومت

۲۵۲-۲۵۵

## اخبار علمیہ

۲۵۶-۲۶۲

## ادبیات

۲۶۳

## اوراق پارینہ

۲۶۴-۲۷۱

منتجات نظم اردو

۲۷۲-۲۷۸

جناب عبا ری

## مطبوعات جدیدہ

۲۷۹-۲۸۰

## موازنہ انیس و دسیر

فرانس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و دسیر کا موازنہ مولفہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی  
مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ قیمت



## مشکلات

جرمنی میں ابھی ایک عجیب قاتل گرفتار ہوا ہے، اور سپر الزام یہ ہے کہ اس نے یکے بعد دیگرے تیس رکیون سے شادی کی اور ہر ایک کو قتل کر ڈالا، گرفتاری کے بعد حوالات میں اس نے اپنا بیان ایک تصنیف کی صورت میں قلمبند کیا ہے، جہاں اس نے اپنے جرم کی نفیات پر بحث کی ہے لکھا ہے کہ میرا فعل درحقیقت سوسائٹی اور ہئیت اجتماعی پر ایک عظیم الشان احسان ہے، مردوں کی مقدار کثرت ہو گئی ہے کہ وہ مردوں کی ضرورتوں سے بدرجہا زیادہ ہو گئی ہیں، ایسی حالت میں اونکا وجود سوسائٹی کے لیے ایک ملک اخلاقی دبا ہے، جس سے اسکو محفوظ رکھنا ہر صاحب احساس کا فرض ہے، دانا یا ان فرنگ کی برابری کا کون دعویٰ کر سکتا ہے؟ لیکن کیا اس بیماری کا علاج تعداد ازدواج سے نہیں ہو سکتا؟ اور کیا یہ جرم معصوم روحوں کے قتل سے زیادہ سنگین ہے؟

اسی کے ساتھ یہ خبر سننی کے ساتھ سنی جائیگی کہ ہاشونک روس نے اپنے موجودہ قحط کے غذا لیم کا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ اس نے (۱۲۰) قحط زدہ لڑکوں کو گولی سے اڑا دیا، اسکا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بھوک کے مارے گھوڑے کا گوشت کھایا تھا، جس سے گھوڑوں کی بیماری اون میں پیدا ہو گئی تھی، آہ! انسان کس درجہ خدا کو بھولا ہوا ہے، وہ اسکی قدرتوں سے جنگ کرتا ہے اسکی نظام فطرت سے لڑتا چاہتا ہے، اور اس اعلان جنگ میں خود بخود وہ اپنے اسباب ہلاکت و بربادی کو ترقی کی دعوت دیتا ہے، اور اس طرح گویا اپنے ہاتھ سے اپنا گلا آپ کاٹتا ہے، مجرم قوموں کی

پالی اور پاداش جرم کی یہ بھی ایک صورت ہے، کیا اس روشن زمانہ میں ان معصوموں کا قتل، ہر ایک عہد کے قتل نبات کے جرم سے مختلف ہے، ایک دن آئیگا جب یہ معصوم زبانیں گریا ہونگی اور اونکا مالک ان سے پوچھے گا، بَاقِيَ ذُنُوبِ قَتَلْتُمْ، تلو کس جرم میں قتل کیا گیا،

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی تباہی پر ہم نے افسوس و حسرت کے جو چند قطرے بہائے تھے وہ بے فائدہ رہے، لوگ بیمار کے مزید احوال دریافت کرتے ہیں، لیکن اسکے جواب میں ہم صرف اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ بیماری جب ملک حد تک پہنچ جائے تو مزاج پر سی کی ساعتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور ہر روز دہانہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسکے علاج و معالجہ کے لیے دوڑ دھوپ کرے، ایک طرف تو طلبہ کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے دوسری طرف اخراجات کی فراوانی اور کثرت کا یہ عالم ہے کہ یہاں روایت پہنچی ہے کہ مل سرمایہ میں اب ہاتھ لگ گیا ہے اور اگر کوئی فکر نہ کی گئی تو آئندہ سال شاید یونیورسٹی دیوالیہ ہو جائے، پروفیسروں اور معلموں کی تنخواہوں پر تنخواہیں بڑھائی جا رہی ہیں، بعض حکام کالج کی صرف سال میں دو تین بار آمد کے لیے کئی ہزار سالانہ کا سفر خرچ منظور ہوا ہے، بعضوں کے لیے دو دو سو ماہوار کی کوٹھیاں اور علاوہ اسے مقرر کیا گیا ہے کہ شاید وہ سال میں ایک دو دفعہ اس سرزمین پر نزول فرمائیں تو انہیں تکلیف نہ اٹھانا پڑے، حاشا کہ ان حالات کے اعلان سے اصلاح کے سوا کچھ اور مقصود نہیں، کیا ہمارے قومی اخبارات حاضر وقت ضروری مسائل سے کچھ سطرین بچا کر اس بے اہم اور معمولی مسئلہ کی تذکرہ کر سکتے؟

یاد ہو گا، دو ڈہائی سال ہوئے آکسفورڈ کیمبرج یونیورسٹیوں کے معاملات سے متعلق ایک شاہی کمیشن مٹرا سکو تھم، سابق وزیر اعظم کی زیر صدارت مقرر ہوا تھا، اسکی رپورٹ حال میں شائع



ہوئی ہے، منجملہ اور تجاویز کے ایک تجویز یہ بھی کی ہے کہ دونوں یونیورسٹیوں میں سے ہر ایک کو خزانہ سرکاری سے رقم ذیل کی سالانہ امداد دی جائے۔

۱۰۰۰۰ پونڈ (۱۵۰۰۰۰ روپیہ)

بہد اعانت عام

۹۰۰۰۰ پونڈ (۱۳۵۰۰۰۰ روپیہ)

بہد اعانت کتب خانہ

گروا کل ۲۲۰۰۰۰ پونڈ (۳۳۰۰۰۰۰ روپیہ) کی سالانہ سرکاری اعانت کی تجویز ہوئی ہے جو غائب منظور ہو جائے۔ اس وقت تک دونوں یونیورسٹیوں کو ۳۰ ہزار پونڈ (۴ لاکھ روپیہ) سالانہ کی مدد ملتی رہی ہے،

۲۲ سلسلہ کی بابت انگلستان کے محکمہ تعلیم کا جو تخمینہ بنا ہے، اس کے لحاظ سے ۱۰ سال مصارف کی تعداد ۱۹۲،۳۸۶ پونڈ (کچھ کم ستر کروڑ روپیہ) ہوگی، یہ بجٹ غیر معمولی کوشش کفایت کا نتیجہ ہے، ورنہ سال گذشتہ کی میزان اس سے بہ قدر ۱۰ لاکھ پونڈ کے زیادہ تھی، چند برطانوی یونیورسٹیوں کی سالانہ آمدنی کے اعداد حسب ذیل ہیں (بابت ۲۱-۲۲)۔

۱۱۹۲۶۳ پونڈ

برنگھم یونیورسٹی

۱۴۶۶۸۶

مانچسٹر

۱۶۱۶۶۶

لیورپول

۱۰۱۲۰۱

شفیلڈ

۲۰۴۲۴۶

اڈنبرا

۱۶۳۰۰۰

گلاسگو

یہ چند برطانوی یونیورسٹیوں کے نام بہ طور نمونہ کے لکھ دیے گئے، درنہ یورپ و امریکہ کی تقریباً تمام یونیورسٹیاں کم و بیش ایسی ہی شاہانہ آمدنیوں کی مالک ہیں، لیکن یہ عظیم الشان داخل بھی روز افزون مصارف کے لیے کافی نہیں ہوتے، ہر چار طرف سے ایک عام پیر زور مطالبہ ہو رہا ہے، اگر طلبہ کی فیس یا سرکاری اعانت کی رقم میں اضافہ کر کے بہر حال جس طریق پر بھی ممکن ہو، ضروریات تعلیم کے متناسب آمدنی حاصل کرنا چاہیے، اور ضروریات تعلیم ہیں، کہ کلمات آئی کی طرح غیر محدود دولا آتھا ہیں۔ علم ریاضی انکے شمار و استقصار سے قاصر ہے، ایک حاجت ابھی تکمیل کو پہنچنے نہیں پاتی ہے، کہ دوسری حاجت اس سے اہم تر زود نا ہو جاتی ہے، اساتذہ کے پیش قرا شاہرہ، درس گاہوں کی سرفلک عمارتیں قیمتی سامان نشست و آسائش و آرایش، نازک و بیش بنا سائنٹفک آلات و ذریعہ نئی مصارف کی نگہی آتی ہے، تا آنکہ خدایان تعلیم گھبرا اٹھے ہیں، اور غریب مجلس ہندوستان کی کلکتہ یونیورسٹی سے لیکر شاہ خرچ امریکہ و زرافشان انگلستان تک کی یونیورسٹیاں تشویش و اضطراب میں مبتلا رہنے لگی ہیں، جولائی ۱۹۲۱ء میں جو کانگریس آف یونیورسٹیز لندن میں منعقد ہوئی تھی اس کے ایک صدر مجلس سر آر تھربا نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ،

”یونیورسٹی تعلیم کی ضروریات روز افزون ہیں، اور آمدنی میں ان کے متناسب اضافہ کی

کوئی توقع نہیں، ہندوستان اور نو آبادیوں کا حال معلوم نہیں، لیکن کم از کم برطانیہ عظمیٰ

میں تو روپیہ سے زیادہ تعلیمی مقاصد کے لیے کوئی شے اس وقت اہم تر اور کوئی شے زیادہ

غیر الحصول نہیں۔“



یہ تصویر کا ایک رخ تھا، اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو، تعلیم کا ایک مفہوم یہ ہے کہ شاندار کمال ہون جن پر قصروایوان شاہی کا دھوکا ہوتا ہو، سرفلک سلسلہ عمارات ہو، ذخیرہ کتب



کی فراہمی میں دولت قارون درکار ہو، اساتذہ کے مشاہیر پر بیدار بنی رہتی ہو، لاکھوں روپیہ سالانہ فریج اور ظاہری ساز و سامان کی مدین صرف ہوتا ہو، تجربہ گاہوں اور آلات کے لیے ہزاروں دولت وقف ہو، غرض تعلیم اس مفہوم کے لحاظ سے تاحریک کر رہے ہو، جسکا مبدیہ و منتهی مرکز و محیط جو کچھ ہے، سب ظاہریت و مادیت ہے، لیکن اس دنیا میں تعلیم کا ایک دوسرا مفہوم بھی موجود رہا ہے، اور اب بھی ہے، جسکے لحاظ سے یہ ظاہری شان و شوکت، جاہ و امارت، ازراہ پاشی و دولت ریزی، ازرباش و آرایش، سب بے معنی ہے، اس نظام تعلیم میں زرد دولت اور سامان دنیوی ہی کو سرے سے بے حقیقت تسلیم کیا گیا ہے، اور اگر حقیقت مانی بھی گئی ہے، تو ایسی جیسے کسی دھوکے کی ٹٹی، یا کھیل کود کی چیز کی ہوتی ہے، اعلیٰ الحیوة الدنیا لعب و لہو و زینۃ و تفاخر بینکم و تکافؤ فی الاموال و الادلاد.... دما الحیوة الدنیا الامتاع الفرود (حدید رک) جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی صرف بازیچہ اور ظاہری آرایش، اور مال و دولت اور آل و اولاد کی مفاخرت اور مبالغت ہے،... یہ دنیاوی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے،

اس علم کے لیے یونیورسٹی کی شاندار عمارتوں، بے انداز دولت، اور سامان آسائش و آرایش میں سے کسی شے کی ضرورت نہیں، اسکے لیے صرف صدق و صفا، قلب و ضمیر، تزکیہ و تقویٰ کی ضرورت ہے۔ اور ہر تقویٰ حاصل ہوا، ادھر عالم الغیب و الشہادہ کی ازلی یونیورسٹی سے براہ راست استفادہ ہونے لگا، وعدہ صریح ہے، وَ اتَّقُوا اللَّهَ دَعَاكُمْ إِلَيْهِ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بقرہ-۲۹) یہ علم کتابی معلومات سے حاصل نہیں ہوتا، بڑے بڑے مہذب و آراستہ کتب خانہ اس علم کی تحصیل کے لیے قطعاً لا حاصل ہیں۔ کتابوں کا انبار انسانی دماغ کی طرح بعض چوپایوں کی پشت پر بھی بار کیا جاسکتا ہے، لیکن نتیجہ؟ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (جمعة-۱) اس علم لدنی

ہر سب بڑا عالم سب بڑا فاضل سب بڑا محقق، اُمی محض تھا، اور اسکی یہ اُمیت اسکی یہ حرف ناشناسی اسکی لیے باعث فخر تھی، بار بار تصریح کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے، فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ (اعراف-۵۳) الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ (اعراف-۱۹) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (جمعة-۱)

اس تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہوتا، کہ بڑے بڑے عہدے اور مناصب حاصل ہوں، یا خدمتِ حرفت، تجارت و سیاست کے ہفتخوان سر کیے جائیں، یا پھر حب وطن کی آڑ پر دیکر ہمسایہ اقوام کے گلے پر چھری چلائی جائے، تعلیم نیابتی و نفی کی ہے، ان تمام شعبوں کی قاطع ہے، اس علم کا مقصد معرفتِ نفس ہوتا ہے، نہ کہ گرد و پیش کے نقوش فانی میں غلو و انماک علم آن باشد کہ بستاند ترا بے نیاز از نقش گرد و اندر ترا علم آن نہ بود کہ کور و کر کند مرترا بر نقش عاشق ترکند (مثنوی ص ۱۰۱)

زرد مال کا معاوضہ طلب کرنا ان علما و متعلمین کے لیے حرام ہوتا ہے، انکی تعلیم ہے۔ چون دگران را شوی آموزگار کم طلب آن را عوض از روزگار علم بود جو ہر و باقی سفال آن چون حقیقت دگران چن خیال بیج جو اہر، سفالے کہ چہ بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ (رجامی) اس علم کی منزل مقصود کیا ہوتی ہے؟ اور اسکی تحصیل کے کیا شرائط ہیں؟ انکا جواب اس درگاہ میں اگر یہ ملتا ہے، نہ سوے نفس و مال و جاہ برد علم سوے دیرالہ برد علم باید نخست پس علمت بر فور از علم خواندہ با علمت علم بے علم خاک کوے بود علم با علم آبر و سے بود جاہل از علم جاہ جوید سود مزد آجل بہ عاجل آرد زود علم از علم نیک پے گردد سنگ بے سنگ سلس کے گردد (سنائی) کاش مدعیانِ علم و دانش کو علم انسان مالم یعلم کی درگاہ حقیقتِ علم و حیل کے اقیانوسِ صحیح کی توفیق عطا ہو!



یہ سلطان سلیمان اعظم کا زمانہ تھا، اسی زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اور فرانس کے درمیان سب سے پہلا رعایتی عہد نامہ مرتب ہوا جو اب کیسپی چوبلیشن کے خوفناک نام سے مشہور ہے، اور جو ترکی کے گلے کا پھندا بن گیا ہے، اس عہد نامہ میں بھی سلطان کی حیثیت خلیفہ کی نظر آتی ہے،

یورپین علوم و مسائل کے سب سے بڑے بھرنہ خارا اور دریائے ناپید اکنا رکنا نام انسائیکلو پیڈیا ہے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا نام لیتا استناد اور اعتبار کے لیے شاید کافی ہو، سلطان سلیم کے تذکرہ میں یورپ کا یہ مستند ترین ذخیرہ علمی حسب ذیل شہادت ہم پہنچاتا ہے،

”اس کے بعد شام اور مصر اور اسکے (سلطان سلیم کے) قبضہ میں آ گئے، وہ تمام اسلامی مقامات مقدسہ کا مالک ہو گیا، اور سب سے زیادہ اہم یہ کہ اس نے آخری خلیفہ عباسیہ سے کہا کہ وہ خطاب خلافت اور اس کے ظاہری لوازم مثلاً علم مقدس، اور شیر و زرد نبوی اس کے حوالہ کر دے، اس کی وجہ سے سلاطین عثمانیہ نے جو عظمت حاصل کی وہ یہ تھی کہ وہ تمام عالم اسلامی میں معزز ترین ہو گئے، اور آج بھی وہ وہی اہمیت رکھتے ہیں، اور جس نے خلافت کی اس شرط کو خلیفہ قرشی ہونیاً منیاً کر دیا ہے،

یورپین فن تاریخ کا سب سے بڑا اور معتبر ذخیرہ، ”مورخین کی تاریخ عالم“ ہے جس کا ذکر اس سلسلہ مضمون میں کئی دفعہ آچکا ہے، اس کتاب کے مصنفین نے متعدد مقامات پر اس واقعہ کا ذکر کیا ہے،

سلیم اب فی الواقع ”محافظا مقامات مقدسہ“ بن گیا، اس نے قاہرہ میں ایک بیچارہ بیوقوف شخص کا پتہ پایا جو مستقر باللہ (۹۰) کے نام سے پکارا جاتا تھا، جس کا وصف امتیازی صرف اس قدر تھا کہ وہ عباسی خلفا کی دوسری شاخ کا اٹھارہواں خلیفہ تھا، سلیم نے اس پر ہاتھ ڈالا اور اس کو اس وقت تک آزادی نہ دی جب تک اس نے خلافت کے تمام حقوق سے

## خلافت عثمانیہ

اور

## اسلامی و مسیحی دنیا کا اعتراف

۲

مسئلہ خلافت پر معارف کے مضامین اس قدر پچیلے کہ مولانا رومی کی طرح یہ کہنا پڑا کہ سنا گفتم گفتم من شدم بسیار گو، مگر آج اس سلسلہ کا یہ آخری نمبر ہے، امید ہے کہ آئندہ ناظرین کو اس کی تکلیف نہ دی جائے،

یہ مسئلہ یورپین پالیٹیکس کا مرکز بننے سے پیشتر مسیحی دنیا کی تمام قوموں میں ایک مسلم واقعہ کی طرح تسلیم شدہ تھا، تحریری شہادتوں میں مسیحی دنیا کے اعتراف کی سب سے پہلی مثال جدید یورپ کی سب سے پہلی ترقی یافتہ قوم پرتگیزیوں کے ایک سفیر متین ہندوستان کی زبان سے ملتی ہے، ترکی امیر البحر سید علی جب احمد آباد گجرات میں عماد الملک وزیر کے دولت کدہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کی اتفاقی ملاقات پرتگال کے سفیر سے ہوتی ہے، سفیر مذکور کہتا ہے،

ہیں سلطان روم کی بہت ضرورت رہتی ہے، ہمارے ملک کے جہاز اور ان کی سلطنت کے بندر گاہوں میں بے روک ٹوک جاتے ہیں، اگرچہ ان کی اجازت نہ تو ہمارا بہت برا حال ہو علاوہ اسکے سلطان روم، اسلامی دنیا کے بادشاہ ہیں،



دست برداری دکھادی، اسکے معاد منہ میں سلیم نے اسکو کچھ ذوق نہ دیا اور باہوا روٹھ کر دیا۔  
سلیم نے تب اپنے القاب میں اس لقب (خلافت) کا بھی اضافہ کر لیا، مگر اب خلیفہ ایک بڑھا،  
مسکین شیخ نہیں رہا تھا، بلکہ اب وہ ایک بہت بڑی طاقتور فوج کا مالک تھا، جو اسلام نے اپنے  
قبضہ میں کبھی رکھی تھی، اس دن سے اسلام اپنا صرف سردار رکھتا ہے جسکے اقتدار کے تحت  
تمام سیاسی اور مذہبی امور ہیں، یہ سردار قسطنطنیہ کا سلطان ہے،

دوسری جگہ اس کتاب میں ہے،

مصر کے الحاق کے بعد سلیم نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا، جسکو اب تک مصر کے بادشاہ اختیار  
کئے ہوئے تھے،

پروفیسر میکس مولر مشرقیات کے بہت بڑے ماہر تھے جاتے ہیں، اور انھوں نے اور انکی بیوی

نے آج سے رن صدی پیشتر ترکی کا سفر کیا تھا، اور ان دونوں نے ملکر "سیاحت قسطنطنیہ" کے نام سے  
ایک سفر نامہ ترتیب دیا ہے، اس سفر نامہ میں دو مقام پر خلافت عثمانیہ کا تذکرہ ہے، حرم و خزانہ کی  
سیر کے تذکرہ میں ہے،

"خزانہ سے باہر نکلنے پر ایک متصل چھوٹی مسجد کی طرف اشارہ کیا گیا، کہ اس میں پیغمبر اسلام کی  
عجا، علم، عصا، تیغ اور کمان محفوظ ہیں، سلطان جلوس کے ساتھ سال میں ایک دفعہ رمضان  
میں اس کی زیارت کرتے ہیں، سلطان کو عبائے نبوی پہنائی جاتی ہے، اگر یہ علم نکالا جائے  
تو اس کے نیچے دنیا کے تمام مسلمانوں کا جمع ہونا فرض سمجھا جاتا ہے، صرف سلطان بحیثیت خلیفہ  
اور بادشاہ ہونے کے اسکو کھول سکتے ہیں،

۱۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶ ۲۔ کتاب مذکور ج ۲ صفحہ ۳۳۸ ۳۔ اسکا اردو  
ترجمہ دار المعنفین میں لے گا، ۴۔ سیاحت قسطنطنیہ ترجمہ اردو صفحہ ۳۶

برہم سلاطین کا سامان کھینچتے ہوئے یہ منظر اونکو نظر آتا ہے،

علامہ مشائخ اور مفتی سب کی نگاہیں سلطان کی طرف لگی ہوئی تھیں، جن کی وہ بحیثیت  
خلیفہ یا جانشین نبی عزت کرتے ہیں،

۱۲۰۰ء میں یعنی آج سے چالیس برس پیشتر مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے سب سے پہلے سلاطین عثمانیہ  
کی خلافت کی اہمیت کے مسئلہ پر توجہ مبذول کی، اور انھوں نے عربوں کے دوست بنکر ان میں  
عرب قومیت کا احساس و جذبہ پیدا کیا اور اونکو بتایا کہ خلافت اور انکا قومی حق ہے اور اس حق کو  
وہ ترکوں سے واپس لے سکتے ہیں، مسٹر بلنٹ کی مشہور کتاب فیوچر آف اسلام ہے، جسکا ترجمہ سید  
اکبر حسین صاحب الہ آبادی نے ۱۹۰۰ء میں مستقبل اسلام کے نام سے کیا ہے، یہ پوری کتاب مسئلہ  
خلافت پر یورپین نقطہ نظر کی کما حقہ تفسیر اور توضیح ہے، بلنٹ صاحب ترکوں کی مخالفت اور  
عداوت کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے کہ خلافت عثمانیہ آج دنیاے اسلام کا ایک مسلم  
واقعہ ہے، ان کے اقتباسات ہمارے مطلب کے اس کثرت سے ہیں کہ اونکو یہاں نقل کرنا دشواری  
سے خالی نہیں، یہاں پر صرف ایک دو حوالے نقل کیے جاتے ہیں،

غیر مالک کے اجنبی مسلمانوں سے بھی سلطان کی تقریر ابتدا ہی سے برنسبت دنیاوی بادشاہ  
کے زیادہ تر بطور حاکم مذہبی کے رہی، اور سفیران یورپ کے ساتھ سلطان نے اپنی یہ حالت  
(یعنی حکومت مذہبی) برابر اور مستقل طور پر اور نہایت اثر کے ساتھ قائم رکھی (صفحہ ۶)

"یونین کو بالخصوص اس بات پر ناز تھا کہ ہم تخت ترکی کی حکومت سے آزاد ہیں، اور اس  
افریقہ کے خفی فرمانرواؤں کے علاوہ اور سب لوگ ترکوں کی طرف سے رٹنے کو فوج سمجھتے  
تھے لیکن اب خود مالکی لوگ جو قیروان میں مقدس ہیں سلطان عبدالحمید کے اشارہ پر

۱۔ سیاحت قسطنطنیہ ترجمہ اردو صفحہ ۴۶



حرکت کرتے ہیں، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں ہی سلطان کی قدر کا میابی کے ساتھ تحریک کر رہے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان تو علانیہ مساجد میں اونکے لیے دعا مانگتے ہیں، ہر جگہ وہ فریق جو اسلام کی دوبارہ ترقی چاہتا ہے مسلح کھڑا ہے اور اس ارسی خلیفہ کو جو ادنیٰ مرضی کے موافق کام کر رہا ہے اور یورپ کو حقیر جانتا ہے اور بشرط ضرورت اسپر تیار معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن اون لوگوں کے ساتھ اون لوگوں کا پیشوا بنکر علم جہاد بلند کرے جو اونکو اپنا پیشوا تسلیم کر چلا ہے (۶۳)

”یہ حالات جو میں نے بیان کیے علما میں اس درجہ تسلیم کر لیے گئے ہیں کہ سال گذشتہ میں میں نے قریب قریب بلا اختلاف جمہور کی یہ رائے پائی کہ سلطان عبدالحمید خان خاندان عثمانیہ کے آخری خلیفہ ہیں (۶۴)

روسی مسلمانوں کی حالت اور کیفیت اور اون میں اسلام کی زندگی کی بقا و فنا کا فیصلہ کرتے ہوئے مشرطنٹ لکھتے ہیں،

”ترکستان، ساہلیا..... اور اون ملکوں میں جو پہلے سلطنت عثمانیہ میں شامل تھے اور اب روس کے ماتحت ہو گئے ہیں جس چیز نے مسلمانان اہل سنت و جماعت کو اپنے مذہب پر قائم کر رکھا ہے وہ اونکا یہ علم و خیال ہے کہ ہنوز روسیوں کی سرحد پر خود ہمارے ہم مذہب لوگوں کی ایک بڑی جنگ اور جماعت موجود ہے اور خود اونکا مسلمہ روحانی اور مذہبی پیشوا ادبیر حکمران ہے، اونکے مذہبی فخر کا مرکز قسطنطنیہ ہے جہاں سلطان اور خلیفہ باسغورس کے کنارہ تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا یورپ اور ایشیا دو دنیاؤں پر حکمران ہے، (صفحہ ۱۳۳)

مشرق اور خصوصاً اسلامی مشرق کی حالت سے ذاتی واقفیت علماء یورپ میں پروفیسر

پیری سے زیادہ کسی اور کی انوگی، پروفیسر موسوف اپنی کتاب مستقبل اسلام میں ایک جگہ لکھتے ہیں: مسلمان کے دن قسطنطنیہ میں زائرین دنیا، سلطان کے لیے جو اظہار ارادت و عقیدت کرتے ہیں اور اسکا سبب یہی ہے کہ وہ خلیفہ اسلام مانے جاتے ہیں، (ترجمہ اردو صفحہ ۱۳۴) یہ صحیح ہے کہ وسط ایشیا اور افغانستان کے امیر ہمیشہ اپنی مساجد کے دروازوں پر سلطان کے مطلقاً فرمان آویزاں رکھتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اونکو نماز پڑھانے کا اختیار خلیفہ المسلمین کی جانب سے حاصل ہے، اور وسط ایشیا کے بعض خان سلطان کی خطابات اور خلعتوں کو نہایت شکر گزاری کے ساتھ قبول کرتے ہیں (صفحہ ۱۳۶)

مارکوئس آف ویسلی گورنر جنرل دوسیراے ہند اور سلطان میسور کے درمیان سلطان کی فرمان کی نسبت خط و کتابت مذکورہ اس سلسلہ مضامین میں کئی دفعہ آچکا ہے، آج پھر ایک دفعہ اس کے چند فقروں کو دہرانا ہے، مارکوئس آف ویسلی اپنے خط میں فرمان سلطان کا والہ دیکر سلطان میسور کو فرانسیسیوں سے قطع تعلق اور انگریزوں سے موالات کی جانب ان الفاظ میں متوجہ کرتے ہیں،

”وہ (سلطان ٹیپو) تمام مذاہب کے دشمن اور خلیفہ اسلام پر حملہ آور ہونے والے فرانسیسیوں سے ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر کے اپنا جوش اسلامی دیکھائے اور میں امید کرتا ہوں کہ جب وہ (سلطان ٹرکی کے) اس خط کو پڑھے گا تو بلاشبہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ فرانسیسیوں نے مسلمانوں کے مسلم خلیفہ کی توہین کی ہے،

سابق سفیر برطانیہ مسٹر لبرڈ متعین قسطنطنیہ نے اپنے مراسلہ سرکاری مورخہ ۱۹ جون ۱۸۳۸ء میں انگلستان کی وزارت خارجہ کو حسب ذیل الفاظ میں متنبہ کیا تھا، سلطان گنہگار خود ایشیا کے پانچویں درجہ کے حکمران کی حیثیت کا کیون درہ جاے مگر



پھر بھی وہ خلیفہ اسلام برابر باقی رہے گا، اور یہ بہت ممکن ہے کہ اسلامی دنیا اپنے وجود کو قائم رکھنے کی آخری جنگ میں انگلستان کو ان خطرات اور مصائب کا جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اصلی محرک اور باعث سمجھ کر انگلستان ہی پر پل پڑے، جنگ ترکی و اٹلی جس کا مشہور نام جنگ طرابلس ہے، مسٹر بارکلی نے انگریزی میں اس کی تاریخ لکھی جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہے، کتاب مذکور میں صلح کے وہ دفعات اور شرائط بھی شروع میں لکھ دیے ہیں، جن پر ترکی اور اٹلی نے دستخط کیے ہیں، ہنجمہ دیگر دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی ہے،

طرابلس کے مسلمان مذہبی حیثیت سے سلطان کے تابع، اور وہ خلافت عثمانیہ کے ماتحت رہیں گے، اور جمعہ اور عیدین میں وہاں کی مسجدوں میں سلطان کا نام لیا جائیگا، سر اڈورڈ کرلسی، ایک انگریز نے ترکان عثمانیہ کی ایک تاریخ لکھی ہے، جس کا نام ”ہسٹری آف اوٹومن ٹرکس“ ہے، ادھین سلیم کے واقعہ خلافت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے، ”جب سلیم نے مصر فتح کیا تو وہاں عباسی نسل کا خلیفہ فرمانروا تھا، سلیم نے اس کو اپیر آباد کیا کہ وہ خلافت کو باضابطہ سلیم اور اس کی نسل کی جانب منتقل کر دے، ساتھ ہی سلیم نے خلافت کے آثار ظاہری بھی جنکے حامل عباسیہ چلے آتے تھے، اپنے قبضہ میں کر لیتے یعنی علم مقدس، و شیر دروازے پیر“،

سر تھیوڈور مارلسن (سابق پرنسپل مدرسہ العلوم علی گڑھ) اہل علم انگریزوں میں ہیں جو مسلمانان ہند کے خیالات و حالات سے کما حقہ واقف ہیں، ادھون نے ہندوستان کے اکابر اسلام کی صحبت اٹھائی ہے، وہ ہندوستان کے عظیم الشان دور میں مصلحین اسلام کی انجمن کے ایک اعزازی رکن تھے، وہ مسئلہ خلافت عثمانیہ پر نامگزین حسب ذیل خیالات ظاہر کرتے ہیں،

”اہل یورپ کو سب سے پہلی بات یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مسلمانان عالم کو ترکی کے ساتھ دلی محبت ہے، اور سلطان ترکی کے دنیاوی اقتدار کے خاتمہ کا خیال ہی ادھین برہم کر دیتا ہے، اس موقع پر ہمارا یہ کہنا اون سے بالکل عبث ہے کہ ادھین سلطان کو خلیفہ تسلیم کرنا چاہیے، چاہیے یا نہ چاہیے، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ وہ تسلیم کرتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ خلافت، عباسیہ کے ہاتھ سے کلکڑ آل عثمان تک کیونکر پہنچتی ہے، لیکن اس راز کے محرم ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس خیال میں بالکل پختہ و غیر متزلزل ہیں..... بے شبہ ہم اس پر تاسف کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہ عقائد کیوں ہیں، مگر اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہیں ہی عقائد،

نامور مستشرق پروفیسر براؤن جن سے بڑا مشرق و مشرقیات اور تاریخ اسلام کا عالم آج انگلستان بھر میں کوئی نہیں، ادھون نے اس بحث پر نامگزین جو مضمون لکھا تھا، اون کے بعض اقتباسات یہ ہیں،

”مجھے ہمیشہ اس امر پر سخت حیرت رہی ہے کہ جو لوگ محمد کی رسالت کے منکر ہیں وہ کیوں اس بحث میں اپنا اس قدر وقت اور دماغ صرف کرتے رہتے ہیں کہ خلافت یا نبی کا حقدار کون ہے؟ یہ بالکل ایسی ہی مہمل بات ہے کہ جیسے مسلمان اس فیصلہ کے درپے ہو جائیں کہ مسیحیوں کے پوپ یا ”عامی ملت“ کے لقب کا حق کس کو ہے..... سلاطین آل عثمان منصب خلافت کے کچھ آج مدعی نہیں ہوئے ہیں بلکہ اگر سلطان سلیم نہیں تو اس کے فرزند سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ سے تو ادھون کا یہ دعویٰ بہر حال چلا آتا ہے چنانچہ سلیمان کی وفات پر مفتی ابوالسعود نے عربی زبان میں جو مرثیہ کہا تھا ادھین تصریحاً اسے خلیفہ اللہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے..... مزید شہادت



فریدون بے کے مرتب کردہ سرکاری کاغذات سے ہم پہنچ سکتے ہیں،  
 انگلستان میں ایک بزرگ ایسے ہیں جنکو اس حقیقت سے انکار ہے، اور وہ مشہور متعصب  
 اسلام پروفیسر مارگولیتھ ہیں، وہ خلافت اور پروفیسر موصوف کے درمیان اس مسئلہ پر لندن کے  
 اخبار اور زور میں مناظرہ چھڑ گیا تھا، ایمن بطور ثالث کے ایک فاضل آرٹھراج ریڈنگ  
 جو بعض مالک اسلام میں مدتوں تک جج رہ چکے ہیں، ایک مضمون اسی اخبار میں (بتاریخ ۲۷  
 مارچ ۱۹۱۹ء) شائع کرایا تھا، جس میں وہ لکھتے ہیں،

”میں بخوشی اس کے لیے آمادہ نہیں ہوں کہ پروفیسر مارگولیتھ جیسے فاضل مشرق سے اختلاف  
 آرا کر دن، مگر بحیثیت ایک قدیم عہدہ دار کے جسے اپنی زندگی کے بہترین عیس برس  
 اسلامی ملکوں میں گزارے ہیں اور ایک جج کی حیثیت سے جسے قانون اسلامی کا نظم  
 و نفاذ کیا ہو، یعنی فقہ شافعی مابین سلطان کے دعوے خلافت کو تا مقرر منصفانہ نہیں سمجھتا  
 سلطان کا یہ دعویٰ کہ وہ پیغمبر اسلام کے جانشین ہیں اور پوپ کا یہ دعویٰ کہ وہ سینٹ پیٹر  
 کا جانشین ہے برابر درجہ کا بحث طلب ہے، گو کچھ لوگ اس کے موید بھی ہیں مگر بہت سے  
 اس کے خلاف بھی ہونگے، مثلاً میں کہہ سکتا ہوں کہ شیعہ حضرت علی اور ان کے خاندان کے  
 سوا تمام خلفائے منکر ہیں، اور مراکش کے مالکی اپنا خود ایک اور ایسی خلیفہ رکھتے ہیں،  
 اور ظاہر یہ مثلاً نجد کے دباہیہ اور شمالی افریقہ کے سنوسیہ اور عمان دزنجبار کے خارجی  
 ہر مقامی اسلامی حکومت کے خود مختار فرمانروا کو امام تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ (یعنی خلافت  
 عثمانیہ) تمام عثمانی ترکوں میں، تمام سنی خفی عربوں میں، اور اکثر شافعی، مالکی اور  
 حنبلی عربوں میں، ترکی کے قدیم دائرہ سلطنت میں، اور روس کے سنی مسلمانوں میں

۱۹۱۹ء، دیکھو معارف اگست ۱۹۱۹ء،

چین اور تاتارستان میں اور ایشیائے وسطی کے قانون میں، جہاں سے مثل فاتح خفی  
 فقہ کو اپنے ساتھ ہندوستان لے گئے وہاں بھی اسی طرح جاوا میں اور جنوبی افریقہ  
 ملایا میں لوگ اسکو تسلیم کرتے ہیں، گو آخری نقطہ کے متعلق میرا علم یقین نہیں ہے۔۔۔  
 ان اعترافات کے علاوہ یورپ کے عام اخبارات و رسائل کے اقتباسات کا بڑا ذخیرہ  
 بھی موجود ہے، لیکن صرف اس لیے اذکو قلم انداز کیا جاتا ہے کہ مستند فضلاء مشرقیات میں  
 اذکا شمار نہیں،

غیر اسلامی خطہ ہائے عالم میں چین کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے جہاں تین کروڑ مسلمان  
 آباد ہیں، ان کے موجودہ عقیدہ کی نسبت ابھی سٹرڈنگ کا بیان تم سن چکے، مگر تم کو یہ معلوم کر کے  
 تعجب ہو گا کہ یہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ آج سے سینکڑوں برس پہلے سلطان سلیمان اعظم ہی کے  
 عہد میں خلافت عثمانیہ کا دائرہ عقیدت مشرق قسبی کی مسافت کٹے کر چکا تھا، سید علی امیر البحر  
 بایرون کے دربار میں چینی مسافروں کی زبانی روایت کرتا ہے،

”جب ترک (مسلمان) سودا گروں نے چین میں عید کے روز سلطان کا نام خطبہ میں  
 پڑھوانا چاہا تو انھوں نے خاقان چین کہا کہ ہمارا سلطان، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور  
 قبلہ کا بادشاہ ہے، لہذا اس کا نام عید کی نماز میں شامل کرنے کی اجازت دی جائے،  
 گو خاقان چین ایک غیر مذہب کا آدمی ہے تاہم اس نے مسلمانوں کی درخواست کو جائز سمجھ کر  
 قبول کیا، بلکہ یہاں تک کیا کہ خطیب کے خلعت فاخرہ پہنا کر اور ہاتھی پر سوار کر کے شہر سے  
 گذارا، اس وقت سے سلطان کا نام عید کی نمازوں میں برابر چلا آتا ہے، (صفحہ ۴۶)

ان تاریخی تصدیقات اور اعترافات کے بعد بھی اگر کسی کو اس مسئلہ میں شک رہ جائے

فَبَاقِيَ حَدِيثِ بَعْدَ كَيْلِ مِثْقَلِ دَنَانِيرٍ،



# شانتی نیکیتان

کے

## چشم دید حالات

از مولوی ابوالنصر سید احمد بھوپالی

گذشتہ سال جب عاجز کلکتہ گیا تو منگلہ دیگر اردو دن اور تمنادُن کے اپنے ساتھ ایک اردو و تنہا ہندوستان کے مشہور شاعر ٹیگور کے مدرسہ شانتی نیکیتان کے دیکھنے کی بھی رکتا تھا۔ اگرچہ مدرسہ مذکور کے محل حالات امریکہ کے بعض علمی انگریزی اور مصر کے عربی رسائل میں نظر سے گزرے تھے، لیکن انکھیں بطور خود اُن کے تفصیلی مشاہدہ کے لیے مشتاق تھیں، ویسے الخبر کا لعیان،

کلکتہ میں ایک عرصہ کے قیام و انتظار کے بعد یہ تنہا گذشتہ ۲ فروری کو پوری ہوئی جبکہ عاجز مع اپنے ایک رفیق کے بولپور جانے کے لیے ہوڑہ اسٹیشن پہنچا۔ اگرچہ ہم دونوں کو گاڑی کے وقت اور پیٹ فارم کی خبر نہ تھی، مگر حسن اتفاق کہ جب ہم لوگ ٹکٹ لینے کو گئے تو خود شانتی نیکیتان کے ایک طالب علم سے ملاقات ہو گئی جس نے نہایت خلاق و مہربانی سے ہماری رہنمائی کی۔ ابتداءً ہم طالب علم مذکور کو اُسکی وضع و قطع سے جیسا کہ قسمتی سے اکثر بنگالی مسلمانوں کی رہتی ہے ہندو سمجھتے رہے لیکن جب ریل میں بیٹھ کر اطمینان سے

گفتگو ہوئی تو یہ معلوم کر کے کہ وہ مسلمان ہیں ہماری مسرت و خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی خصوصاً اس لیے کہ فی زمانہ اس قسم کے علمی میدانوں میں بدقسمتی سے مسلمانوں کی بہت ہی کمی رہی ہے۔

پس پائی کا جو حال ہے وہ معلوم،

بہر حال ہم تینوں تقریباً ساڑھے دس بجے اسٹیشن بولپور پہنچے۔ یہاں سے مدرسہ

شانتی نیکیتان دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی اسوجہ سے یہ خیال کر کے کہ اس وقت مدرسہ میں جانا اُسکے منتظین کے لیے باعث تکلیف ہو گا ہم نے ہر چند

چاہا کہ رات اسٹیشن پر گزار دیں اور صبح اطمینان سے جائیں مگر سید مجتبیٰ علی (طالب علم مذکور)

کے غیر معمولی اخلاق نے ہمیں اسی وقت جانے پر مجبور کیا۔ جون جون ہم بولپور کی آبادی سے

دور اور مدرسہ سے قریب ہوتے جاتے تھے ہمیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم دنیا کے شور و شر سے

بجور ہو رہے ہیں اور ایک سنان و دل فریب خلوت کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔ قدم قدم

پر ہمارے دونوں اشتیاق مقام مقصود تک پہنچنے کے لیے بڑھتا جاتا تھا۔ بالآخر ہم مدرسہ

کی حدود کے اندر داخل ہوئے اور قدم رکھتے ہی ہم نے اُسے اسم باسکی پایا،

وہاں پنچکر سید مجتبیٰ علی نے بعض منتظین کو بیدار کیا اور وہ لوگ ہمیں ایک خاص عمارت

میں لے گئے جو مہمانوں کے قیام کے لیے مخصوص تھی۔ یہ عمارت دو منزلی دہشتہ بنی ہوئی ہے

نیچے کی منزل کے وسط میں ایک بڑا حال ہے جس میں تقریباً اُسی کے برابر ایک تخت بنگالی

طرز کا بچھا ہوا ہے جس کے چاروں طرف جنگلہ ہے۔ اُس پر سفید فرش بچھا ہوا تھا، ہمیں فوراً

دو بستر لادے گئے اور پانی اور لائٹیں وغیرہ ضروری سامان بھی مہیا کر دیا گیا اور

اس مدرسہ کا نام "شانتی نیکیتان" ہے اور جنگلہ زبان میں اس کے معنی ہیں "بیت الامن" چنانچہ مدرسہ کے مقام کی

نام دیگر شور و غوغا سے یکسوئی اور وہاں کی خوشی و سکون بھی اپنے اس نام پر پوری طرح دلالت کرتی ہے،



نظمین ہیں اس تخت پر آرام کرنے کو کہہ کر خدمت ہوئے،

دوسرے روز علی اصباح جب ہماری آنکھ کھلی تو ہم نے گھنٹی کی آواز سنی جو طلباء کو بیدار کرنے کے لیے صبح چار بجے تین مرتبہ دی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہمیں نہایت دل آویز موسیقی آواز میں خدا کی حمد و ستائش کے ترانے بنگلہ زبان میں سنائی دینے لگے جنکو طلباء کی مختلف ٹولیاں مدرسہ کے احاطہ میں گشت لگاتی ہوئی گا رہی تھیں،

جب ہم نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے تو صبح سات بجے ہمارے لیے دودھ اور چاؤل ون سے مرکب ناشتہ لایا گیا، تھوڑی دیر کے بعد سید مجتبیٰ علی آئے انھوں نے ہمارے قیام کے کمرہ میں جو اشتہار لٹک رہا تھا وہ پڑھ کر سنایا اس میں لکھا ہوا تھا کہ،

(۱) یہاں پر صرف ایک خدا کی پرستش کی جاتی ہے،

(۲) یہاں پر کسی اوتار، دیو، دیوی، رشی یا مہاتما کی پرستش نہیں کی جاتی،

(۳) یہاں پر مذہبی معاملات میں گفتگو کرنا یا مباحثہ کرنا سخت ممنوع ہے،

(۴) یہاں پر کسی ذمی روح کا گوشت کھانا یا اسے مارنا سخت ممنوع ہے،

(۵) کھانے میں یہاں پر صرف بقولات و ترکاری وغیرہ استعمال کی جاسکتی ہیں،

(۶) یہاں پر آپس میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپس میں محبت و دوستی رکھنا چاہیے،

(۷) یہاں پر ہر قسم کی منشی اشیاء پینا ممنوع ہے،

اس بڑے ہال کے دونوں جانب دو کمرے اور تھے جنہیں سے ایک میں ڈاکٹر بے

مقیم تھے جن کی پیدائش روس جرمنی کی سرحد کی ہے، یہ برلن یونیورسٹی

کے پی ایچ ڈی اور کئی زبانوں کے ماہر ہیں ڈاکٹر ٹیگور انہیں اپنے مدرسہ میں کیمسٹری

کی تعلیم کے لیے یورپ سے اپنے ہمراہ لائے ہیں، انکی بالکل ہی سادہ وضع اور سادہ زندگی

نہایت حیرت انگیز اور ہلوگون کو تعجب میں ڈالتے والی تھی کیونکہ ہم نے کبھی کسی باشندہ یورپ کو اس سادہ وضع قطع میں نہیں دیکھا، انکو مطالعہ و تحریر سے عشق تھا۔ غالباً یہ کسی کتاب کی تصنیف و تدوین میں اسوقت مشغول تھے، دوسرے کمرے میں ایک ماسکو کی بیوی مقیم تھیں جو بطور وزیٹر دھما ان کے ٹھہری ہوئی تھیں اور کئی روز سے روسی زبان کے لٹریچر پر لیکچر دے رہی تھیں، انکے ایک لیکچر میں ہم بھی شامل ہوئے تھے لیکچر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک کمرہ میں فرش بچھا ہوا تھا اس پر تمام سامعین ادنیٰ طالب علم سے لیکر اعلیٰ استاد برابر بیٹھے ہوئے تھے انہیں میں ڈاکٹر ٹیگور کی ہمیشہ اور دیگر مستورات بھی مقیم تھیں، بیڈی صاحبہ ایک دیسی مونڈھے پر بیٹھ کر لیکچر دے رہی تھیں جو انگریزی زبان میں اور برسی لٹریچر کے متعلق وسیع معلومات سے پُر تھا،

### دارالاقامہ اور طلباء کی طرز معاشرت

ساڑھے سات بجے کے قریب ہم سید مجتبیٰ علی کے ہمراہ بورڈنگ دیکھنے کو گئے جو

چھوٹے چھوٹے قطعات میں علیحدہ علیحدہ ہوا دار بنا ہوا ہے۔ ایک ایک کمرے میں کم سو کم

دو طالب علموں کے رہنے کی جگہ ہے جس میں انکے سونے کے لیے دو تخت بچھے ہوئے ہیں

ہر تخت کے نزدیک کتابیں رکھنے کو ایک ایک میز رکھی ہے، اسکے سوا اور کسی قسم کا

فرنیچر یا فرش نہیں ہے، اور نہ طلباء کے نزدیک کوئی ایسا ساز و سامان۔ حتیٰ کہ بعضوں کے

نزدیک تو کپڑوں کے لیے صندوق بھی نہیں،

عموماً تمام طلباء و اساتذہ نہایت سادہ لباس میں ملبوس رہتے ہیں جسے وہ زیادہ تر

پنہ ہی ہاتھ سے سیٹے ہیں۔ تمام اساتذہ و طلباء برہنہ سر اور برہنہ پا پھرتے ہیں الا اسوقت

جبکہ ہماری کی حالت میں طبیب تجویز کر دے اسب ایک ہی قسم کا کھانا جو چاول اور



سبز ترکاریوں پر مشتمل ہوتا ہے ایک جگہ اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں ایک دوسرے سے چھوٹ یا نفرت بالکل نہیں رکھتے، تمام طلباء عموماً صبح چار بجے اٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و تائیس کے ترانے گاتے ہیں۔ بعد ازاں کنوین پر جا کر سب غسل کرتے ہیں اور سفید کپڑے پہن کر نازمین (کہ جو نام ہے تامل و تفکر، سوچ، بچار، اور مراقبہ کا) مشغول ہو جاتے ہیں، بعد ناشتہ کرتے ہیں ساڑھے سات بجے درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں تقریباً تین گھنٹہ متواتر تعلیم کے بعد ساڑھے دس بجے اساتذہ اور طلباء منتشر ہو جاتے ہیں اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کھانا کھاتے ہیں، کھانا کھانے کے بعد اساتذہ آرام کرتے ہیں اور طلباء جسطرح چاہتے ہیں اپنا یہ وقت صرف کرتے ہیں،

دو بجے کے بعد دوبارہ درس و تدریس شروع ہوتی ہے اور چار بجے تک جاری رہتی ہے، چار بجے کے بعد کا وقت عموماً ناشتہ کے بعد طلباء ریاضیات بدنیہ میں صرف کرتے ہیں بعض کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کھیل کھیلتے ہیں بعض پیدل دس دس میل تک نکلتے ہیں اور قرب و جوار کے دیہات دگاؤں میں پہنچ کر وہاں ہندوؤں کی اصلاح و ہدایت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے قریب کے دیہات میں انہوں نے رات کا مدرسہ قائم کر کے باقاعدہ ہدایت و اصلاح کی درس و تدریس شروع کر دی،

ان تمام کھیلوں اور ورزشوں سے فراغت کے بعد طلباء غسل کرتے ہیں اور پھر تقریباً آدھ گھنٹہ نازمین صرف کرتے ہیں اور بعد ازاں کھانا کھا کر نو بجے سو جاتے ہیں، سولانے کے لیے طلباء کی ایک جماعت مدرسہ کے تمام احاطہ میں گشت لگاتی ہے اور نہایت دلکش آواز میں بنگلہ گیت گاتی جاتی ہے،

اسکے علاوہ طلباء سے زعامت و قیادت اور ذاتی حکم و راستے کی مشق بھی کرائی

جاتی ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ مدرسہ کا اندرونی نظام طلباء کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے، ہر ہفتہ کو طلباء ہفتہ بھر کے لیے اپنا ایک قائد و لیڈر منتخب کرتے ہیں جو تمام مدرسہ کا رئیس سمجھا جاتا ہے، پھر اسکے تحت میں ہر ایک جماعت اپنا اپنا لیڈر علیحدہ منتخب کرتی ہے یہ تمام لیڈر طلباء کے معاملات کی جماعت کے اندر اور جماعت سے باہر نگرانی کرتے ہیں، اگر کوئی خطا کسی طالب علم سے صادر ہوتی ہے تو اسکا محاکمہ ان لیڈروں کے سامنے کیا جاتا ہے خطا کار مجرم اپنے جرم و خطا کی مدافعت خود کرتا ہے یا کسی دوسرے طالب علم سے کراتا ہے جب باوجود مدافعت کے جرم ثابت ہو جاتا ہے تو لیڈروں کا محکمہ مجرم پر سزا کا حکم صادر کرتا ہے، اور سزا یہ ہوتی ہے کہ مجرم چند یوم کے لیے کھیل سے یا باغ میں کام کرنے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن محکمہ کے لیے یا رئیس مدرسہ کے لیے یا اساتذہ کے لیے بھی بدگونی کرنے اور خلاف تہذیب کلمات استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے،

علاوہ ازیں طلباء اپنے تصور کو قوی کرنے کے لیے اپنی قوت تخیل کو مذہبی راہ میں مرن کرنے کے علاوہ دیگر اشار پر بھی صرف کرتے ہیں مثلاً وہ ابتداء طور سے لیکر آخر موت تک حشرات و رخت اور پھولوں کے نشوونما کا بذات خود مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور اس امر میں ڈاکٹر ٹیگور بھی انھیں وقتاً فوقتاً مدد پہنچاتے رہتے ہیں،

غرضکہ ایک ایسے وزیر کے لیے جو سچا علمی ذوق رکھتا ہو ان طلباء کی مفید طرز معاشات نہایت مسرت بخش و امید افزا ہے اس لیے کہ وہ انکو جب کبھی دیکھتا ہے تو سوائے اس کے نہیں پاتا کہ اگر انکی ایک جماعت شعرو علوم کے مذاکرہ میں مشغول ہے تو دوسری حشرات یا حیوانات کے مشاہدہ و تبصرہ میں، اگر ایک جماعت پرندوں کو داند کھلا رہی ہے تو دوسری نباتات کی تربیت اور دیکھ بھال کر رہی ہے،



طریق تعلیم | طریق تعلیم موجودہ زمانہ کے کالجوں اور اسکولوں کے مردہ و نامیشی طرز تعلیم سے بالکل خراب و جداگانہ ہے، وہاں اسکول یا کالج کی کوئی عمارت ہے، اور نہ مختلف جماعتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کمرے نہ کوئی لیکچر ہال ہے اور نہ طلباء و اساتذہ کے بیٹھنے کے لیے کسی قسم کا فرنیچر، طلباء کے لیے نہ تو وہاں کسی قسم کی قیود باعث تحریریں و تحصیل ہیں اور نہ خوف اساتذہ تعلیم کے لیے نہ تو آجکل کی یونیورسٹیوں کی طرح مقرر و محدود نصاب ہے اور نہ مردہ سالانہ و ششماہی امتحانوں کی گرما گرمی۔ بلکہ وہاں کے اسکول و کالج کی عمارت قدرت کی وہ فضا ہے جسکی سطح زمین کے خاکی فرش سے مزین اور جسکی چھت آسمان کے نیلگوں گنبد سے مسقف ہے، انکی جماعتوں کے کمرے جابجا اُگے ہوئے وہ قدرتی درخت ہیں جو اپنے تردازہ میوؤں اور سرسبز بتوں کے ساتھ غفلت پرست انسان کو اپنے سایہ آغوش میں ہر وقت درس معرفت دینے کے لیے طیار ہیں، اُن کا لیکچر ہال فضا کی وہ وسعت ہے جسکی سطح اوان و اقسام کے عجائبات سے آراستہ اور چھت انواع و اقسام کے اجرام فلکیہ سے مرصع بجائے خود ایک درس عبرت اور خطبہ موعظت ہے، سطح ارضی کی یہی رنگ برنگ کی خاک وہاں کے اساتذہ و طلباء کا قابل فخر فرش و فرنیچر ہے۔ طلباء کے لیے باعث تحریریں و تحصیل، قیود، خوف، نصاب، یا امتحانات کی سزدن و ڈگریوں کی بجائے اُنکا ذاتی حقیقی شوق و ذوق اور اُنکے اساتذہ کی سچی محبت و شفقت ہے،

حقیقت یہ ہے کہ جب یورپ و امریکہ کی وہ گراناہیہ و فاضل ہستیاں جنھوں نے پرورش ہی آرام کر سیوں، ریشمی گدوں، قالینوں اور فاخرہ لباسوں میں پائی ہے طوعاً و کرہاً نہیں بلکہ بلیب خاطر شوق و ذوق سے سادہ لباسوں میں لبوس خاک پر درختوں کے نیچے جابجا بیٹھی ہوئی درس دیتی ہوئی نظر آتی ہیں تو مدرسہ کی اس کامیابی پر تعجب

ہوتا ہے کہ کس طرح سے یہ سپیدی و سیاہی کے امتیاز، اور ملکی و مذہبی بییت کے مٹانے میں کہ جو اہل یورپ کی پیدائشی خصوصیت و سرشت ہے کامیاب ہو گیا ہے، طریق تعلیم وہی "املا" (یعنی لیکچرس) کا ہے جو قدیم زمانہ میں مسلمانوں میں رائج تھا اور اوقات تعلیم بھی زمانہ قدیم کی طرح جیسا کہ ہم نے ابھی بتلایا و حصوں میں منقسم ہے اول ساڑھے سات بجے سے ساڑھے دس تک دوسرا دو بجے کے بعد سے چار تک، اور یہی اس ملک کے لیے موزون بھی ہے اسلئے کہ ہر ملک و قوم کی ترقی موقوف ہے اُسکے افراد کی علمی و ذہنی ترقی پر، اور علمی و ذہنی قابلیتوں کے نشو و ارتقاء کو اپنے پیدائشی ملک کی آب و ہوا سے بہت گہرا تعلق ہے پس اگر کسی ملک کے افراد کی تربیت و تعلیم اور انکی ذہنی استعداد کی پرورش اُنکے ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے نہیں کی گئی تو ظاہر ہے کہ نتیجہ بجائے اُسکے امید افزا اور کامیاب ثابت ہو ملک مذکور کی ساری دماغی قابلیتوں اور ذہنی ترقیوں کے لیے ہلک ہو گا۔ آج منجملہ اُن دیگر مسائل کے کہ جو یورپ کے مدعیان تہذیب و تمدن کی جانب سے ہندوستان کی دماغی ترقیوں اور ذہنی قابلیتوں کے حقیقی نشو و ارتقاء میں سد راہ ہوئے ہیں ایک مسئلہ اوقات تعلیم بھی ہے،

قاعد و ضوابط | تطویل کے خوف سے ہم اسکول کے قواعد و ضوابط کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف کالج کے قواعد و ضوابط اور حالات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ناظرین کرام اسکول کا بھی اسی سے انداز کر سکتے ہیں کیونکہ اسکول و کالج کے قواعد و ضوابط میں کوئی بین فرق نہیں ہے۔

کالج کا نام "وسوا بہارتی" *Vaswabarati* ہے، اس میں ایک خاص رہایت جو سید مجتبیٰ علی کی زبانی معلوم ہوئی اور قواعد و ضوابط میں درج نہیں ہے یہ ہے کہ



اگر کوئی ناوار طالب علم ہو اور وہ صحیح ذوق علمی اور طلب صادق رکھتا ہو لیکن مدرسہ کی فیس نہ دے سکتا ہو تو اسکو بصورت ضمانت بطریق قرض تعلیم دی جاتی ہے یعنی تنظیم کی راہ کے اتفاق سے ضمانت پر اس سے ایک اقرار نامہ لکھوا لیا جاتا ہے کہ وہ بعد فراغت کالج کاروبار یا ادراک دیکھا اور پھر کالج اسکے اخراجات کا کفیل ہو جاتا ہے۔ تو اعداد و ضوابط حسب ذیل ہیں،

۱۔ سوا بہارتی صرف اعلیٰ تعلیم کے لیے ہے اور صرف اُن ہی لوگوں کی شمولیت کی امید کی جاسکتی ہے جو طلب علم کے لیے اپنے کو وقف کر سکیں،

۲۔ سوا بہارتی میں جو امتحانات وغیرہ ہوتے ہیں اُنکو کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی سندیں یا ڈگریاں دی جاتیں،

۳۔ طلباء کو زیادہ تر اپنی ہی کوششوں پر بھروسہ کرنا ہو گا مگر وہ پروفیسروں سے ہمیشہ قوری مدد و ہدایت حاصل کر سکتے ہیں،

۴۔ طلباء کو بعض معین کورس کے مطالعہ کی ترغیب دی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی اس کے انہیں اجازت ہے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ مضامین بھی اپنی استطاعت کے مطابق لے سکتے ہیں،

۵۔ واسطہ تعلیم "بنگلہ زبان" ہے سوائے یورپین زبانوں کے کہ وہ انگریزی زبان کے ذریعہ سے سکھائی جاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے بعض اوقات اساتذہ اور طلباء کی سہولت و سائش کی موزونیت کے لیے انحراف بھی کیا جاسکتا ہے، ایک بنگلہ اور انگریزی جاننے والا طالب علم عموماً تمام اسیاق اور لیکچرس میں شرکت کے قابل ہے،

۶۔ ادنیٰ سے ادنیٰ استعداد و اخلاق کے لیے درکار ہے وہ کسی یونیورسٹی کا میٹرکولیشن

امتحان ہے لیکن یہ قاعدہ اُن امیدواروں کے لیے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو اپنی اس قدر استعداد ثابت کر سکتے ہوں،

۷۔ سر دست تعلیم پانچ صیغوں میں منقسم ہے۔

(۱) زبان و ادب

(۲) فلسفہ

(۳) تاریخ

(۴) آرٹس (فنون)

(۵) علم موسیقی

۸۔ صیغہ ادب و زبان میں اس وقت مندرجہ ذیل زبانوں کی تعلیم کا انتظام ہے،

(۸) میتھیلی *Maithili*

(۱) سنسکرت

(۹) سنہالی *Sinhalese*

(۲) پالی

(۳) پراکریٹ *Prakrit* (۱۰) فرنیچ

(۴) بنگالی (۱۱) جرمنی

(۵) ہندی (۱۲) گریک

(۶) گجراتی (۱۳) لاطینی

(۷) مرہٹی (۱۴) تبتی

۹۔ ہر ایک کورس (نصاب) چھ سال کا ہے اور دو درجوں میں منقسم ہے (۱) عمومی،

(۲) خصوصی، جنہیں سے ہر ایک درجہ کی مدت تین سال کی ہے،

۱۰۔ جو طلباء ذیل کے مضامین میں تحقیقاتی کام کرنا چاہیں اُنکے لیے خاص خاص سانیان



بہم پہنچائی جاتی ہیں،

(۱) سنسکرت

(۲) پالی

(۳) پراکریٹ

(۴) ہندوستان کی تاریخ قدیم اور ارتقاء

(۵) فلسفہ بدھ مذہب

۱۱۔ طلباء ایک عمدہ فراہم شدہ کتب خانہ سے مستفید ہو سکتے ہیں جو سب کے لیے کھلا ہوا ہے کتب خانہ میں اب انڈولوجی (تاریخ ہند) کے متعلق فرنیچ زبان میں ایک پورا ذخیرہ موجود ہے،

۱۲۔ داخلہ سال میں صرف ایک مرتبہ جوڑی میں ہوگا،

۱۳۔ دونوں طبقہ کے طلباء (یعنی طبقہ اناث اور طبقہ ذکور کے) تمام ذاتوں، برادریوں اور عقیدوں سے تعلق رکھنے والے داخل کیے جاتے ہیں۔ طالبات کے لیے رہنے کا انتظام علیحدہ ہے۔

۱۴۔ داخلہ کی فیس عٹشہ روپیہ اور ماہواری فیس عٹشہ روپیہ ہے جس میں بورڈنگ ٹوشن وغیرہ کی فیس شامل ہے،

۱۵۔ طلباء کی ایک قلیل تعداد کے لیے ایک ماہر معلم کے زیر نگرانی علی زراعتی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا گیا ہے،

۱۶۔ پروفیسر سلوین یوی ایک فرنیچ عالم نے ذیل کے مضامین پر لیکچر دینا شروع کر دیا ہے،

(۱) قدیم ہندوستان کے تعلقات اپنے قرب و جوار کے ممالک سے۔ ہر ہفتہ کے دن،

(ب) بدھ مذہب کا اثر قدیم دنیا پر۔ ہر یکشنبہ کے دن۔

اسیے پروفیسر مذکور کے تحت میں جو طلباء تحقیقاتی کام کرنا چاہتے ہوں ان سے

درخواستیں فوراً مطلوب ہیں

۱۷۔ ہر قسم کی خط و کتابت بنام پرنسپل وسواہارتی۔ ساتی نیکیتان (بنگال)، ہونا چاہیے،

علیہ اسٹاف کالج کا عملہ یا اسٹاف مندرجہ ذیل پروفیسروں اور منتظموں سے مرکب ہے،

(۱) مسٹر بدھوشنکر شاستری۔ ایم اے۔ یہ کالج کے پرنسپل ہیں ژندی زبان کے

ماہرین اور سنسکرت زبان کے پندت ہیں،

(۲) ڈاکٹر راجندر ناتھ ٹیگور بنگالی اور انگریزی زبان کے ادب کی تعلیم دیتے ہیں،

(۳) شادرموہاگیش رگروملابیر، انکی عمر ساٹھ سال کی ہے پالی زبان کے ماہرین

انکی پیدائش سیلون کی ہے بادشاہ سیام کے استاذ ہیں،

(۴) پروفیسر سلوین یوی Sylvain Levy یہ فرانس کے ایک مشرق

ہیں جرمنی کی اسٹراسبرگ یونیورسٹی Strasbourg کے پی ایچ ڈی ہیں

جرمنی، فرنیچ، انگریزی، اطالوی، گریک، لاطینی، چینی، جاپانی، تبتی، اور سنسکرت

زبانوں کے ماہرین۔ علم تاریخ میں انہیں یدٹولی ہے، ڈاکٹر ٹیگور انہیں اپنے مدرسہ

کے لیے گذشتہ سفر یورپ میں فرانس سے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ڈاکٹر ٹیگور سے یہ آجکل بنگلہ

زبان پڑھتے تھے،

(۵) ماحی یوی Abame Levy یہ فرنیچ زبان کے پروفیسر ہیں،

(۶) سی ایف اینڈریوز C. F. Andrews ایم اے۔ اخباری دنیا ان سے

بخوبی واقف ہے یہ ڈاکٹر ٹیگور کے شاگرد رشید ہیں مدرسہ میں انگریزی کی تعلیم دیتے ہیں

بہنو نوع انسان کی ہمدردی میں عموماً اور ہندوستان کی ہمدردی میں خصوصاً ان کے

کثرت سے معرکہ آرا مضامین اخباروں میں نکل چکے ہیں جو غالباً ناظرین کی نظر سے



گزرے ہونگے،

(۷) ڈبلو ڈبلو پرسن (W. W. Pearson) ایم اے (کینٹب) یہ انگریز ہیں اور

انگریزی کی تعلیم دیتے ہیں، ہم نے انہیں نہایت سادہ لباس میں ایک درخت کے نیچے خاک پر بیٹھا ہوا طلباء کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے جو ہمارے لیے ایک نہایت مؤثر منظر تھا،

(۸) ڈاکٹر بی (D. Bay) پی۔ ایچ ڈی۔ (برلن) انکی پیدائش جرمنی اور

روس کی سرحد کی ہے۔ برلن یونیورسٹی کے پی۔ ایچ ڈی ہیں۔ مدرسہ میں یہ کیمسٹری کے پروفیسر ہو کر آئے ہیں، فرینچ، جرمن، انگریزی۔ جیکو سلائی، اور روسی زبانوں کے ماہر ہیں،

(۹) ڈاکٹر مس کریش (Dr. Kramish) یہ ایک لیڈی ہیں۔ کریش

آرٹ (Ortiz art) کی ماہر ہیں اور مدرسہ میں اسی کی معلمہ ہیں

(۱۰) مسٹراس (Mrs. Morris) بی۔ اے۔ یہ بمبئی یونیورسٹی کے بی۔ اے

اور پارسی میں فرینچ اور انگلش جانتے ہیں۔ مدرسہ مذکور میں معلم ہیں،

(۱۱) اے۔ لکشمی راؤ (A. Lakshmanan) بی۔ اے۔ یہ بھی انگریزی

کے معلمین میں سے ایک ہیں،

(۱۲) فنڈرانا تھاپوس (Funderanathaposs) یہ کلکتہ یونیورسٹی کے ایم اے ہیں اور

مدرسہ مذکور میں تاریخ کے پروفیسر ہیں،

(۱۳) بہم راؤ خاستری (Bhim Rao S.) یہ ریاست میسور کے ہیں اور

ہندی علم موسیقی کے معلم ہیں،

(۱۴) دیوندرانا تھاپور (Downdea. N. Jagann) یہ ڈاکٹر ٹیگور کے عزیز ہیں

ہیں اور مدرسہ میں بنگالی علم موسیقی کے پروفیسر ہیں،

(۱۵) نندالال پاسو (N. L. Passu) یہ دونوں صاحبان انڈین آرٹ ماہر ہیں

(۱۶) اسٹ کمار ہلدھر (A. K. Halder) تصویر کشی و نقاشی وغیرہ میں اسے

دنگاہ رکھتے ہیں اور اسی کے مدرسہ میں پروفیسر ہیں،

(۱۷) مسراجی (Mishraji) یہ سنسکرت زبان کے پنڈت ہیں اور سنسکرت

کی تعلیم دیتے ہیں،

(۱۸) نرسنگہ جی میٹھل بھائی، یہ گجراتی زبان کے پروفیسر ہیں،

(۱۹) کیتی موہن سین۔ یہ بنگلہ اور سنسکرت زبان کے معلم ہیں،

(۲۰) ڈاکٹر ایمھرست (Dr. Elmhurst) بی۔ ایس سی۔ یہ امریکہ کے

بی۔ ایس سی ہیں اور علم زراعت کے ماہر ہیں، مدرسہ مذکور میں طلباء کو زراعت کی

عملی تعلیم دیتے ہیں،

## عمارات

مدرسہ میں علاوہ یورپین اساتذہ کے خاص خاص بنگلون اور بورڈنگ کے

مندرجہ ذیل عمارات قابل ذکر ہیں،

کتاب خانہ | یہ ایک مختصر سی عمارت ہے جہن دنیا کی مختلف زبانوں کے لٹریچر، فلسفہ، اور

ہندوستان کی قدیم تاریخ کے متعلق اچھا مواد جمع ہے، لٹریچر میں زیادہ تر انگریزی،

سنسکرت اور بنگلہ زبانوں کے متعلق کتابیں زیادہ ہیں۔ افسوس کہ فارسی و عربی ادب

کے متعلق کہ جس سے تعلق رکھنے والے سات کروڑ انسان ٹیگور کی ہمسائیگی میں بستے ہیں اور



جنگے متعلق بار بار موجود ہندو اتفاق و اتحاد کی تقریریں اور تحریروں میں دھرایا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کا دوسرا ہاتھ ہیں ایک بھی کتاب نہیں۔ جب عاجز نے اسکے متعلق منتظیلین سے دریافت کیا تو صرف دو تین فارسی کی تاریخی ایشیائیک سوسائٹی کی شائع کردہ کتابیں اور دو ایک شعر کے ذکر جنہیں ڈاکٹر براؤن نے شائع کیے ہیں سامنے لا کر رکھ دیے گئے اور عربی کی ایک بھی کتاب نہ تھی۔ مدرسین جو علمی رسائل انگریزی، فرسینج اور جرمن زبان کے امریکہ اور یورپ سے آتے ہیں وہ بھی اسی کتب خانہ کے ریڈنگ روم میں طلباء وغیرہ کے مطالعہ کے لیے موجود رہتے ہیں۔ اسی سے ملتی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اور ہے جو طلباء کی ایک انجمن سے تعلق رکھتا ہے، اس میں زیادہ تر انگریزی لٹریچر کی کتابیں ہیں۔ منتظیلین کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطنت جرمنی سے تین ہزار کتابیں اور فرانس سے ڈہائی ہزار کتابیں کہ جو ہر دو حکومتوں نے ڈاکٹر ٹیگور کو ان کے گزشتہ سفر یورپ میں ہریش پیش کی تھیں کتب خانہ میں آنے والی ہیں،

آرٹ گیلری | یہ بھی ایک مختصر سی دو منزلی عمارت ہے جہاں اوپر کی منزل پر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہایت اعلیٰ رنگ دار تصاویر، مناظر و نقشے وغیرہ موجود ہیں۔ ڈاکٹر ٹیگور کے ہاتھ کی بھی اس میں عمدہ عمدہ تصاویر ہیں۔ اس آرٹ گیلری کا مقصد زیادہ تر قدیم ہندوستانی آرٹ کو زندہ کرنا ہے، چنانچہ ریاست گوالیار سے اعلیٰ اعلیٰ نمونے نقاشی کے کہ جو وہاں کے غاروں میں پتھروں پر کندہ تھے نقل کر کے یہاں پر لائے ہیں، غرضیکہ ذخیرہ نہایت عمدہ اور بلند پایہ ہے اور اب یورپ کے ارباب فنوں کو اپنی جانب کھینچے لگا ہے۔ اس عمارت کے نیچے کی منزل میں سٹرائیڈ ریویز (C. Andrews) رہتے ہیں،

عبادت گاہ | عمارت میں سب سے زیادہ اہم جو ایک انجمنی کے لیے جالب نظر و توجہ

ہو سکتی ہے وہ وہاں کی عبادت گاہ یا مندر ہے جو اپنی طرز میں بالکل جدید ہے۔ یہ عمارت صرف ایک کمرہ اور ایک برج پر مشتمل ہے جو سطح زمین سے تقریباً چار فٹ کی کرسی پر تمام دیگر عمارتوں سے بالکل علیحدہ ایک احاطہ کے اندر بنی ہوئی ہے اس کمرہ اور برج کے اوپر اور ہر چار طرف رنگ رنگ کے شیشے لگے ہوئے ہیں تاکہ روشنی کافی مقدار میں اندر پہنچ سکے، ہر دو شب کو اس میں علی الصبح عبادت ہوتی ہے تمام طلباء اور اساتذہ نزد اس میں شامل ہوتے ہیں۔ عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ علی الصبح گھنٹہ بجا دیا جاتا ہے اور تمام اساتذہ و طلباء اسکو سن کر سفید چادرین اوڑھے ہوئے اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ سب پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت بنگلہ زبان میں گائے جاتے ہیں اس کے بعد سب خاموشی کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے مراقبہ، تفکر و تصور میں مشغول ہوتے ہیں پھر اسکے بعد ایک استاد اللہ کی تعریف میں اور اسکے احسان و انعام، اسکی مخلوقات اور صنائع و بدائع عالم میں غور و فکر کرنے کے متعلق وعظ کرتا ہے اور سب خاموشی کے ساتھ اسے سنتے ہیں، اسکے بعد جلسہ برخواست ہو جاتا ہے،

اسی عبادت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ایک درخت ہے۔ اس درخت کے نیچے ٹیگور کے والد مراقبہ کیا کرتے تھے۔ اب اسکے نیچے ٹیگور نے ایک خوشنما چوڑا ترہ بنا دیا ہے،

ٹیگور کا مکان | ان ہی عمارتوں میں ٹیگور کا مکان ہے جو دو منزلہ بنا ہوا ہے۔ اس مکان کے گرد اقسام و انواع کے درخت و پھلدار سی لگی ہوئی ہے اس میں ہندوستان کی وہ ہستی رہتی ہے کہ جس نے اپنی شاعرانہ قابلیت سے تمام دنیا کو مسح کر لیا ہے۔ افسوس کہ جس زمانہ میں ہم وہاں پہنچے اس وقت ٹیگور کہیں باہر گئے ہوئے تھے،

ٹیگور جس وقت یہاں موجود رہتے ہیں تو وہ بھی طلباء کے ساتھ علی الصبح اٹھتے ہیں



## خاتمہ

یہ تو مدرسہ شانتی نیکیتان کے وہ حالات تھے جنہیں ہم نے وہاں پر پونچھ کر دیکھا اور سنا اب ہم آئندہ اسکے نتائج پر تاریخی اور مذہبی پہلو سے نظر ڈالینگے، مدرسہ مذکور میں اس وقت علاوہ اسکول کے طلباء کے تقریباً سو سو طلباء ہیں جن میں دنیا کے بعض دور دراز گوشوں کے طلباء بھی شامل ہیں، زیادہ وغالب عنصر بنگالی طلباء کا ہے۔ صوبہ بنگال میں مسلمانوں کی آبادی باوجود زیادہ ہونے کے صرف دو طالب علم بیان مسلمان ہیں۔ ایک اسکول میں ہے اور ایک سید مجتبیٰ اعلیٰ کالج میں،

## سیرۃ عائشہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی، قدون اولیٰ کی خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب، اور ام المومنین کے فضائل و مناقب اور ان کے اجتہادات و کمالات پر مفصل تبصرہ ضخامت ۳۵۰ صفحے۔ قیمت

## عربی تفسیر ابو مسلم اصفہانی

خوبصورت ٹائپ میں چھپ کر تیار ہے، قیمت

## جواہرات حالی

یعنی شمس العلماء مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے دور آخر کی پر معارف اور بیش بہا متفرق نقلیں جو صرف ایک مرتبہ کسی اخبار یا رسالہ میں چھپ کر ہمیشہ کے لیے پبلک کی نظروں سے مخفی ہو گئی تھیں اور جنکے حاصل ہو سکی بظاہر کوئی سبیل نہ تھی، نیز مولانا کا وہ تمام نایاب شاندار اور بالکل نیا غیر مطبوعہ منظوم کلام جو آج تک پبلک میں نہیں آیا، قیمت

بلکہ باادقات اُن سے بھی پہلے اور غسل وغیرہ کرتے ہیں کھانا تمام طلباء کی ساتھ کھاتے ہیں۔ مہینہ چل قدمی اور کھیتی کا بہت شوق ہے۔ طلباء اور اساتذہ کو ہفتہ میں ایک مرتبہ اپنے وعظ سے مستفید فرماتے ہیں۔ بچوں سے بے انتہا انس و محبت رکھتے ہیں، چنانچہ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک چھ برس کا بچہ اُنکے ڈالون پر بیٹھا ہوا اُنکی داڑھی سے کھیل رہا تھا اُس نے کہا کہ اُسے آپ تو کثرت سے شعر کہتے ہیں، مجھے کیوں نہیں سکھاتے کہ میں بھی آپ کی طرح کتنے گون اسپر ڈاکٹر ٹیگور نے نہایت ہی محبت و ملاحظہ کے ساتھ اُس سے کہا کہ ”بیٹا! اس بوجھ کا اٹھانا بہت مشکل ہے بلکہ بارہا میں نے اسکو محسوس کیا ہے کہ میں خود بھی اُس کا مستحق نہیں ہوں پس میں نہیں چاہتا کہ یہ بار تجھ پر ڈالون خصوصاً جبکہ تو بہت کمسن ہے،“ اسپر اُس بچہ نے نہایت حاضر جوابی سے جواب دیا کہ ”تب میں خود تنہا شعر کہنے کی کوشش کروں گا،“ اور اُس کے بعد سے وہ شعر کہنے لگا جو وقتاً فوقتاً شانتی نیکیتان کے ہنگامہ رسالہ میں نکلتے رہے ہیں،

ٹیگور کو مطالعہ کا بے انتہا شوق ہے کتابوں، علمی رسالوں وغیرہ کا مطالعہ کثرت سے کرتے رہتے ہیں، اور ہر مہینہ میں علم ادب، فلسفہ، اقتصادیات، سیاسیات، اجتماعیات اور تاریخ کی بہترین و مفید کتابیں خریدتے ہیں اور اُنکا مطالعہ کرنے کے بعد شانتی نیکیتان کے کتب خانہ میں دیدیتے ہیں جہاں اساتذہ اور طلباء اُنکا مطالعہ کرتے ہیں،

پہلے مدرسہ مذکور سے ”شانتی نیکیتان“ نامی ایک ماہوار رسالہ بھی ہنگامہ زبان میں نکلتا تھا جس میں ڈاکٹر ٹیگور دیگر اساتذہ اور طلباء کے علمی ادبی مضامین نکلتے رہتے تھے مگر اب یہ بعض مالی مشکلات کیوجہ سے سر دست بند ہو گیا ہے،

آج تک پبلک میں نہیں آیا، قیمت

منہج



## مترجمہ

### کتبخانہ اسکندریہ

مترجمہ جناب عبدالحمید صاحب صدیقی معلم جامع عثمانیہ حیدرآباد

مستر ٹیک انگریز مصنف نے "عرب فتح مصر" (The Arab Conquest of Egypt) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں کتب خانہ اسکندریہ کے جملانے کی نسبت مسلمانوں کی طرف جو کجیاں ہیں انکی نہایت سختی سے تردید کی ہے، آج سے دس بارہ برس پہلے اندوہ کے صفحات میں ایڈیٹر معارف کے قلم سے مسٹر ٹیک کے دلائل کی تلخیص شائع ہوئی تھی جس میں ابن ندیم کی کتاب الفہرست کو مسٹر ٹیک کی تائید میں پیش کیا گیا تھا لیکن اب تک مسٹر ٹیک کے خیالات کا بعینہ ترجمہ اردو میں شائع نہیں ہوا تھا، خیال میں تھا کہ کسی فرصت کے موقع پر اسکو اردو کا جامہ پہنایا جائے، ہم صدیقی صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس ضروری کام کو خوش اسلوبی سے انجام دیا، اسی کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کو بھی مبارکباد دینا چاہتے ہیں جو اپنے فرزندوں میں علم کی خدمتگداری کا یہ شوق و ذوق پیدا کر رہی ہے، غالباً یہ جامعہ کی علمی خدمت کی پہلی قسط ہے جو معارف کے ذریعہ سے جمہور کی خدمت میں پہنچ رہی ہے، (معارف)

مدت سے یہ سوال متنازع فیہ ہے اور جس پر بڑی شد و مد سے بحثیں ہوئی ہیں کہ آیا عربوں نے اسکندریہ پر قبضہ کرنے کے بعد کتب خانہ کو جلا یا نہیں، لیکن اس قدر بحث مباحثہ کے بعد بھی یہ

بحث اسی طرح تشنہ ہے، اور علمائین اسکے متعلق اب بھی وہی اختلاف آرا ہے جو پہلے تھا، چونکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس شہر کی فتح کے متعلق بحث کریں، اسلئے اس بحث پر بھی غور کرنا ضروری ہے، کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق جو حکایت مشہور ہے اور جو ابوالفرج سے منسوب کی جاتی ہے وہ حسب ذیل ہے :-

کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک شخص تھا جس نے مسلمانوں میں بڑی شہرت پائی تھی اور جسکا نام جان دی گرامیرین (جی انوی) تھا، یہ اسکندریہ کا باشندہ تھا، اور پہلے بظاہر قبطیوں کا مذہبی مقتدا تھا مگر بعد میں بابل (مصر) کے پادریوں کی ایک مجلس نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اسکے عہدہ سے اسے معزول کر دیا، یہ شخص اس زمانہ تک زندہ رہا جبکہ عربوں نے اسکندریہ فتح کر لیا، اور حضرت عمر بن العاص فاتح مصر سے ملا، چونکہ عمر خود نہایت عجیب دل و دماغ کے آدمی تھے، جان کی ذہانت اور معلومات کے معترف ہو گئے، عمر کی ان مراعات سے جرأت پا کر ایک روز جان نے عرض کیا کہ تم نے تمام شہر کی چہان بین کر لی اور ہر قیمتی چیز پر اپنی ہر گاد دی، میں کوئی چیز ایسی تم سے طلب نہیں کرتا جو تمہارے لئے مفید ہو، مگر جو چیزیں تمہارے لئے بیکار

ہے (Ed Po Coyle صفحہ ۱۱۱ Yecst صفحہ ۱۸۰) رناڈاٹ (Renadati) کا خیال ہے کہ یہ حکایت بالکل بے بنیاد ہے، لیکن نے اس پر اختصاراً بحث کی اور ماننے سے انکار کر دیا، لوگوں کو صرف ابوالفرج کے عربی اقتباس کا ترجمہ کرتا ہے، اس سال نائینٹیٹھ سخی Nineteenth Century کے اکتوبر ۱۸۹۲ء

کے نمبر میں ایک مضمون ہے جس میں دیو دیوا (Yasudev) نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، صفحہ ۵۶۰ پر وہ کہتا ہے کہ وہ حکایت اصلی شامی زبان میں نہیں ہے بلکہ بعد کی گہرت ہے تاہم اقتباس ابوالفرج ہی کا لکھا ہوا ہے، گہرت نہیں ہے، اس مضمون کی بنیاد تحقیقات پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک رائے ہے، اسلئے کوئی قابل وقعت نہیں ہے،



خارہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے زمانہ میں یہ روایت شہور تھی مگر اسکندریہ کی فتح کے سارے  
 سو سال کے بعد تک اس حکایت کا کوئی تحریری وثیقہ نہیں پایا جاتا اور اسکے علاوہ جان آف  
 (John of) سے ابوصالح تک جتنے مصنف گذرے ہیں انکی  
 کوششی اس قصہ کے راز کو فاش کئے دیتی ہے،

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیان یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قصہ بطور روایات کے کئی سو  
 سال تک سینہ بسینہ رہا ہوگا، اور یہ بات اسکی اچھی طرح تائید کرتی ہے کہ آج کے دن تک یہ  
 روایت قبطیوں میں جاری ہے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ وہ چہ ہینہ کے بجائے جلنے کے  
 شرڈن بتاتے ہیں، تاہم یہ کہنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ روایت ابو الفرج سے  
 پرانی ہے، یا یوں کہا جائے کہ اگرچہ یہ حکایت عوام میں شہور تھی لیکن یہ ممکن ہے کہ اسے زمانہ  
 وسطی کے مصنفین نے اخذ کیا ہو، اسکو نہ کوئی ثابت کر سکتا ہے اور نہ اس سے انکار ہی کر سکتا ہے  
 اگرچہ اس قدر اعتراضات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بالکل خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے،

ہم کو چاہیے کہ اس قصہ کو اصلی صورت میں رکھ کر اس پر غور کریں، اس سے انکار نہیں ہو سکتا  
 کہ یہ قصہ دلچسپ ہے، اور حضرت خلیفہ عمرؓ کے جواب میں شیک شرتی رنگ پایا جاتا ہے، یہی  
 اب حقیقت میں اس قصہ کا زبردست ترین نکتہ ہے، مگر قیمتی سے یہی جواب حضرت عمرؓ کا  
 ایران کی کتابوں کی تباہی کے ساتھ ہی وابستہ کیا جاتا ہے، سطح سلمان مورخین نے دوسرے

۱۵ پر دنیس برے کا سولف گین کا ادیشن دیکھو جلد ۵ صفحہ ۴۵۴ میں حاجی خلیفہ ابن خلدون کو بطور  
 سند کے پیش کرتا ہے، میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ بت پرست ایرانیوں کی کتابوں کے ساتھ سلمانوں کے  
 جذبات وہ نہیں ہو سکتے جو عیسائیوں کی کتابوں کے ساتھ تھے، کم سے کم ابتدائی زمانہ میں سلمانوں کو یہ  
 بات گوارا نہیں تھی کہ خدا کے تحریری نام کو میا میٹ کریں،

میں وہ ممکن ہے کہ میرے لئے کارآمد ثابت ہوں، عمرؓ نے جواب دیا کہ کس حیر کے متعلق تمہارا  
 یہ خیال ہے، جان نے کہا وہ علیؓ کتاب میں جو شاہی خزانہ میں محفوظ ہیں، اسکا عمرؓ نے یہ جواب  
 دیا کہ یہ ایسی بات ہے جسکے متعلق میں بغیر خلیفہ کے حکم کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حضرت عمرؓ بن العاصؓ نے  
 ایک خط خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اسکے متعلق حکم طلب کیا جسکا جواب یہ آیا کہ جن  
 کتابوں کے متعلق تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہیں تو پھر انکی کوئی ضرورت نہیں ہے  
 اور اگر مخالف ہیں تو لغو ہیں، اسلئے انکو تباہ کر دو، اس فرمان کے وصول ہونے کے بعد عمرؓ نے  
 ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ پانی گرم کرنے کے لئے بطور  
 ایندھن کام میں لائی جائیں، چھ ہینوں میں یہ کتابیں ختم ہوئیں، قصہ کے اخیر میں مصنف صاحب  
 فرماتے ہیں کہ ناظرین اسکو پڑھ کر حیرت کریں گے۔

یہی حکایت ہے جو عربی زبان میں ہمارے سامنے پیش ہوتی ہے، ابو الفرج نے اپنی  
 کتاب تیرہویں صدی کے نصف ثانی میں لکھی ہے مگر اس حکایت کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اسکا  
 اخذ کیا ہے، لیکن چودہویں صدی کے شروع میں ابو الفدا اور آخرین تقریری نے اس حکایت کو  
 اپنے بیان نقل کیا ہے، یہ سچ ہے کہ عبداللطیف نے جو بارہویں صدی میں گذرا ہے، ضمناً  
 بکتخانہ کی اشزدگی کے متعلق تذکرہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے عل میں آئی، مگر اسکی کوئی تفصیل  
 نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس قصہ کو مسلمہ سمجھ لیا تھا، عبداللطیف کے اس

۱۵ عبداللطیف کے اندر یہ مصنف بھی تلخ کو طور پر حکایت کو پیش کرتا ہے، اسکا خیال یہ کہ وہ بات مسلمہ ہے، سیرایم کا ذکر  
 کر کے ہوے وہ کہتا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان ستونوں پر اسطو کے پوچھ (پوچھ) کی عمارت تھی  
 وہ بیان فلسفہ پڑایا کرتا تھا، یہ ایک درگاہ تھی، اس میں کتب خانہ تھا، اسکو خلیفہ حضرت عمرؓ کے حکم سے  
 عمرؓ بن العاصؓ نے بجادیا (قطعات جلد ۱، صفحہ ۱۵۹)







مکن ہے کہ وہ ساتویں صدی کے اوائل تک زندہ رہا ہو، لیکن اگر وہ ۳۴۲ء میں زندہ ہوتا تو اس وقت اسکی عمر ۱۲۰ سال سے کم نہیں ہو سکتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرو کے اسکندریہ داخل ہونے کے ۳۰ یا ۴۰ سال پہلے ہی جان کا انتقال ہو گیا تھا،

خود کتبخانہ اس وقت موجود نہ تھا یا نہیں، ایک ایسا سوال ہے جو بجائے خود بہت دلچسپ ہے اور اسکا حل کرنا اشکال سے خالی نہیں جیسا کہ اچھی طرح محقق ہے، مشہور ترین اور قدیم ترین کتبخانہ شہر اسکندریہ کے حصہ بردگٹان میں واقع تھا، اگر بظاہر سوڑ ہی وہ شخص ہے جسکے دل میں دنیا کی ادبیات کے وسیع مجموعہ کو جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور اس نے واقعی کسی کتبخانہ کی بنیاد رکھی ہے تو اسکی باقاعدہ تکمیل اور تنظیم اسکے جانشین فلا دلفس کے ہاتھ سے ہوئی جس

(بسطہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اقتباس گبن نے نقل کیا ہے جو شکایہ کا ہے اور اسکے علاوہ وہ بیان نامیں فرس

(*Alciphron*) کی طرف منسوب ہے جس سے وہ جان جارج آف پیڈا (*Pisida*)

کا معاصر بنایا جاتا ہے جو ہر اقل کے زمانہ میں تھا یہ نہیں دوس صاحب کیا لٹس *Callistus* میں جنگی

تصنیف چودہویں صدی کی ہے اور یہ کوئی مستند شخص نہیں ہیں، مگر میں کہوں گا کہ اسکا غلط اقتباس دیا جاتا ہے

بغیر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام نظریہ کے خلاف کہ جان فلپس ۳۴۲ء میں زندہ ہوا وہ اپنی شہادت پیش کرتا ہے

کیونکہ جان کوڈیا کورس گیس اور انطاکیہ کے سیورس سے ملاقات تھی جس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے

اسکی سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ جان جارج آف پیڈا کا معاصر نہیں تھا، جب میں نے پڑھا تو

معلوم ہوا کہ لیتس مونٹکس کا معاصر ہے اور یہ شخص ساتویں

صدی کی ابتدا میں مر گیا، اسکندریہ کے استغون کی اس نے جو فہرست دی ہے، وہ یوڈیس ۳۴۲ء پر

ختم ہوتی ہے، لیتس مونٹکس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے اپنی تصنیف لکھی ہے

(اس وقت جان مر چکا تھا)۔

مکان میں یہ کتابیں بہتین ودان عالیشان عمارات کے مجرہ کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے، جسکو روزیم یعنی نمائش گاہ کہتے تھے، اسٹریو کا بیان ہے کہ نمائش گاہ شاہی محل سے متصل تھی اور یہ اس قدر وسیع تھی کہ تمام شہر کے رقبہ کا ایک چوتھائی حصہ اس میں آگیا تھا، اس میں ایک مرکزی بال اور اسکے گرد ایک غلام گردش اور کمرے تھے، یہاں طبی مدرسہ اور علم الابدان اجرائی ریاضیات، علم ہیئت، قانون اور فلسفہ وغیرہ کے مدارس کی عمارتوں میں بھی راستہ جاتا تھا، اسکے ساتھ ایک باغ بھی ملحق تھا، جہاں نباتی تجربات کے لئے ایک باغچہ اور ایک رصد گاہ تھی اور وہ تمام چیزیں بھی بہتین جو ایک یونیورسٹی کے لئے ضروری ہیں، نمائش گاہ کی ساخت کی نوعیت اور کتبخانہ کا ٹیک محل وقوع بتانا مشکل ہے، سچ تو یہ ہے کہ اب تک نمائش گاہ کے موقع و محل کے متعلق بھی کوئی اتفاق آرا نہیں ہے، اسٹریو کتبخانہ کے متعلق بالکل خاموش ہے، حالانکہ اسکی شہادت اس امر کے متعلق کہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ شہد ق م میں اسٹریو کے آنے سے چند سال پہلے یہ کتب خانہ آگ کے نذر ہو گیا بیش بہا ثابت ہوئی، اس وقت مصر یونان کا اس کے زیر کمان حصہ بردگٹان میں قیصر کو محصور کر دیا تھا اگر اس نے جہاز پر چڑھ کر چلتے ہوئے رگاہ کو گنگائی کہا جاتا ہے کہ اس آگ نے پہل کر کتبخانہ کو برباد کر دیا تھا، اگر فی الواقع قیصر نے یہ حالات ظہر بند

۱۔ پروفیسر مہانی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے گو اسکا قصہ کچھ ہی کیوں نہ ہو،

*de la Bibliothèque de Neuvion Bay* فرین بے کا دلچسپ رسالہ موسومہ

*des plaques* دیکھو جو خاص بات اس کتاب کے متعلق ہے وہ صفحہ ۶ پر ہے، اسکے علاوہ اور بھی

ایسے مقامات ہیں جن سے مجھے بہت فائدہ پہنچا،

۲۔ اگر حال کبیرین کے خیال کے مطابق قیصر نے کتاب (*De Bello Alexandino*) حالات

جنگ اسکندریہ پر لکھی ہے تو یہ بات بھی ممکن ہے کہ کیون قیصر نے اس واقعہ کے متعلق خاموشی اختیار کی،



کے مین تو ضروری تھا کہ اس میں اس واقعہ کے متعلق بھی اشارہ کرتا مگر اس میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، برخلاف اسکے اسکندریہ کی کیفیت بیان کرتا ہو کہ یہ شہر آگ سے بالکل محفوظ ہے کیونکہ یہاں کے معمار لکڑی کا استعمال نہیں کرتے بلکہ عمارتوں کو گنبد فائٹ خانون پر قائم کرتے ہیں اور پتھر یا لکڑی سے بناتے ہیں، اگر مصنف کا یہ منشاء ہو کہ کتب خانہ کی آتش زدگی کا واقعہ جو جناب ہی کا کارنامہ ہے اور جناب ہی کا چشم دید ہے پردہ اخفایں رہے تو شہر کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے وہ بالکل فریب دہ اور غلط ہے قیصر کو الزام سے ہتم اور بری کرنا دونوں مشکل ہے پلوٹارک کو اس واقعہ کے متعلق کوئی شبہ نہیں معلوم ہوتا وہ کہتا ہے کہ "جب قیصر کا بیڑا دشمن کے پنجہ میں گرفتار ہونے کو تھا تو اس نے مجبوراً اسکو آگ لگا دی تاکہ اس خطرہ سے جانبر ہو سکے، یہ آگ بندر گاہ سے آگے پہلی اور کتب خانہ کو جلا کر خاک کر دیا، سینکا کو اس واقعہ کا یقین کامل ہے "وہ کہتا ہے کہ اسکندریہ میں چار لاکھ کتابیں

۱۔ (De Bello Civile) جب مصریوں نے بحری شکست کھائی تو بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد انھوں نے پرانے جہازوں کی مرمت کی اور ان جہازوں سے دریائے نیل کو محفوظ کیا، ان جہازوں کے چلانے کے لئے چھتوں کی ضرورت تھی، اس غرض کے لئے مصریوں نے لوگوں کے مکانات کی چھتیں نکال لیں اس بیان کی دوزگی غور طلب ہے، جان آٹ نیک کہتا ہے کہ ڈاکلن نے شہر کو جلایا کتاب (Hervat Artes des martyris) سے ظاہر ہے کہ مسطینس

نے انطاکیہ کے شہید مارکس کے بھائی کو ایک فوج کے ساتھ اسکندریہ بھیجا، اس نے اسکندریہ کے تمام مندروں کو جلایا برہا کیا اور ان پر قبضہ کر لیا، ان تمام مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر کا بیان غلط ہے یا مبالغہ آمیز ہے۔

۲۔ پلوٹارک سیر (Plutarch Caesar) (۱۲۹)

جل گئیں۔ ڈیو کیا شمس کے الفاظ تو بہت تعجب خیز ہیں کہتا ہے کہ آتش زدگی بہت دور تک پہل گئی بندر اور اسکے پاس کے مقامات کے علاوہ اناج کے گودام اور کتابوں کے گودام (ذخائر) تباہ ہو گئے" کہتے ہیں کہ یہ کتابیں تعداد میں بہت زیادہ اور معلومات کی حیثیت سے بہت گر اندر تھیں، لیکن جو روایت کہ چوتھی صدی میں زبان زد تھی اسکے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، ایانس سیریلنس کا بیان مین ہے "وہ کہتا ہے کہ اسکندریہ کا بیس ہا

۱۔ پروفیسر مانی سینکا کا بیان نقل کرتے ہیں جو اس نے لیوی کے خلاف طنز آکھا ہے پروفیسر موصوف اسکی رائے کے ماننے پر مال معلوم ہوتے ہیں کہ یہ کتابیں بجائے اسکے کہ ترقی معلومات میں دو دین کرنی زینت سمجھی جاتی ہیں اور اسنے انکی قدر کیجانی تھی، کتاب (Empire of Ptolema) صفحہ ۹۹

۲۔ گودام کا لفظ اناج دغلہ کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے مگر کتابوں کے ساتھ تو بے معنی ہوگا، تاہم یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ گران بہا کتابوں کا ایک وسیع مجموعہ برآمد کے لئے کوٹھے میں رکھا گیا ہو، یا بندر گاہ کے معمولی تجارتی مال میں کتابوں کا کوٹھا بھی شریک ہو، یونانی میں گو فرق نہیں ہوگا مگر گریزی میں کتابوں کو کوٹھا اور کتب خانہ میں بہت فرق ہے۔ ۳۔ انس جلیس بھی کتابوں کی ہی تعداد بتاتا ہے لیکن تخمینوں میں بہت اختلاف پڑ جاتا ہے، ابی فارس جکی تصنیف بھی چوتھی صدی کی ہے (۵۲۸۰) کی تعداد بتلاتا ہو دیکھو (Alexandrian Museum) واقعہ یہ ہے کہ وہ ان ایک کتب خانہ نہیں تھا بلکہ متعدد کتب خانہ تھے، ایانس ان گنت کتابیں کہتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تخمینوں میں کوئی یکسانی نہیں ہے۔

سیوس میل زمانہ کیل ماکس میں برونی کتب خانہ میں (۴۲۸۰۰) کتابیں بتاتا ہے جو غلطی سے سیر ایم کتب خانہ سمجھا ہوگا۔

برخلاف اسکے شاہی کتب خانہ میں ۴ لاکھ کتابیں بتاتا ہے، اس کے علاوہ (۹۰۰۰۰) سادی جلدیں بتاتا ہے، سیوس میل کا عام انتظامات کے متعلق جو بیان ہے وہ دیکھ پ ۶ صفحہ (۳۳۶)



کتب خانہ جسکے متعلق قدیم مورخین کا اتفاق ہے کہ اس میں سات لاکھ کتابیں تھیں اور جو  
 بطلیموسی خاندان کی سلسلہ کوششوں سے جمع ہوئی تھیں جنگ اسکندریہ میں اس وقت  
 آگ کے نذر ہو گیا جس وقت قیصر نے شہر کو تباہ کر دیا "اردسیس کو اس بیان میں ہر مو  
 اختلاف نہیں ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "جنگ کے دوران میں جو شاہی بیڑا کنارہ پر  
 چڑھ آیا تھا اسکو آگ لگانے کا حکم دیا گیا اس آگ نے شہر کے ایک حصہ کو گہیر لیا اور  
 چار لاکھ کتابیں جلادیں جو بد قسمتی سے ایسے مکان میں جمع تھیں جو اس آگ کے قریب  
 تھا ہمارے اسلاف جنہوں نے علم و فضل کی تصانیف کا شاندار ذخیرہ جمع کیا تھا  
 انکے علمی جدوجہد کا عظیم الشان کارنامہ اس بری طرح مٹی میں مل گیا " بحیثیت  
 مجموعی یہ مناسب اور موزجہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بات پر یقین کر لیں کہ کتب خانہ قیصر  
 کی آتش زدگی میں فنا ہوا اور اسکے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے لیکن قیصر  
 کی اس ہم کے سات یا آٹھ سال کے بعد مارک انٹونی نے شاہ گمس کا کتب خانہ اسکندریہ  
 (31-37) (VII) (۱۵-۱۶) ایسا معلوم ہوتا ہے اردسیس کی تحریریوی یا سید کا کے اقتباس  
 پر مبنی ہے کیونکہ اسکے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بھی وہی عجیب نظریہ تسلیم کیا گیا ہے جسکو دوسرے  
 مبصرین تسلیم کرتے ہیں کہ کتابیں ماحصل کے قریب ایک کوٹھے میں تھیں اس انتظام کا نام ممکن ہونا  
 خود اس نظریہ کو توڑنے کیلئے کافی ہے اسکے الفاظ سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس طرح کوئی عارضی  
 انتظام کیا گیا تھا ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اردسیس اور کیشیس دونوں ایک ہی خیال کی  
 پیروی کرتے ہیں۔

۱۷ پلوٹارک اپنی اینٹی کی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ انٹونی نے کلوپٹر کو پرگمیس کے کتب خانے دیدے  
 جن میں ۳ لاکھ کتابیں تھیں۔

میں مجید یا اب بھی یہ سوال مورخین کیلئے غور طلب ہے کہ آیا وہ نائش گاہ ہنوز اس قابل  
 تھی کہ یہ مجموعہ اسمیں سما سکے یا ان کتابوں کے لئے ایک علیحدہ بنیاد قائم کی گئی جسکا نام  
 سیرایم کتب خانہ ہوا میرے خیال میں یہ دونوں پہلو بے بنیاد ہیں ہم پہلے دیکھ چکے  
 ہیں کہ کلوپٹر نے جو لیس سینر کے اعزاز میں اسکندریہ کے بڑے مندر کی بنیاد رکھی  
 تھی اور آگسٹس نے اسکو اختتام کو پہنچایا تھا اور یہاں کے کتب خانے اس عمارت  
 کے عظیم الشان اسباب آرائش میں شمار ہوتے تھے اسلئے یہ فرض کرنا قرین قیاس  
 ہے کہ جب کتب خانہ نائش گاہ تباہ ہو گیا تو پرگمیس کی کتب خانوں کا ایک حصہ اس  
 مندر میں رکھا گیا اور باقی کتابیں سیرایم بھی گئیں اسکے قطع نظر دو باتیں بہر حال  
 پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں ایک تو یہ کہ نائش گاہ کی چند عمارتیں کیرکلا کے عہد تک استعمال  
 میں تھیں یہ کیرکلا وہ ہے جس نے شہر کو خون سے رنگ دیا تھیں دن کو نبرد کر دیا  
 اور ۲۱۶ء میں نائش گاہ کے ایوان کو سدود کر دیا دوسرے یہ کہ انہیں دنوں میں  
 سنہ عیسوی کے شروع میں ہی چونکہ نائش گاہ کا کتب خانہ فنا ہو گیا تھا اس لئے  
 سیرایم کی شہر بنیاد پر دوسرے بڑے کتب خانوں کی بنیاد رکھی گئی بیان کیا جاتا  
 ہے کہ اوریلیس نے نائش گاہ کی عمارتیں ۲۶۳ء عزمین کے برابر کر دی تھیں یہ

۱۸ سیوس میٹل کا خیال ہے کہ پرگمیس کی کتابوں کا مجموعہ غالباً آئین پولیاس کے مندر میں رکھا  
 گیا مگر یہ نہیں معلوم کہ یہ مندر کہاں ہے۔

۱۹ دیکھو سپرا صفحہ (۴۳) (Supra) مصنفہ فلوریس (Philo Judaeus)

۲۰ اسی میں برکٹان کی بربادی کلاڈی کیطرن منسوب کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ مسیح ہو کتاب  
 (Marnechus Eusebius) کی جلد دوم صفحہ (۴۱۵) دیکھو۔



## تاریخ مصر

### جامعہ مصریہ

اسلامی ملکوں میں ہندوستان سب سے پہلا ملک ہے جسے ایک قومی یونیورسٹی کا پہلے خواب دیکھا، مگر مصر پہلا ملک ہے جسے اس خواب کی تعبیر کو حقیقت کے لباس میں دیکھا، مصر کی قومی یونیورسٹی کا نام جامعہ مصریہ ہے، یہ خالص قومی یونیورسٹی ہے، اپنے معاملات میں حکومت وقت سے اسکو کوئی تعلق نہیں، یہ یونیورسٹی آج سے پندرہ سولہ برس پہلے قاہرہ میں قائم ہوئی، تعلیم کی زبان عربی ہے، انتہا یہ ہے کہ جو یورپین علماء اس میں مختلف علوم پر لکچر دیتے ہیں، وہ بھی عربی میں دیتے ہیں، البتہ یورپین علم ادب کی تعلیم اسی زبان میں ہوتی ہے، مثلاً انگریزی اور فرینچ ادبیات پر جو لکچر یونیورسٹی میں دیے گئے ہیں، وہ انگریزی اور فرینچ میں ہیں،

اساتذہ اور پروفیسر جو علمی ادبی لکچر اس جامعہ میں دیتے ہیں وہ عموماً علیحدہ کتابوں کی صورت میں شائع ہو جاتے ہیں، اس وقت تک اس سلسلہ میں خضری بک کی تاریخ اسلام، ذکی پاشا کی تاریخ تمدن اسلامی، کمال بک کا قدیم مصری تمدن، موسیو گویدی کا عربوں کا جغرافیہ و تاریخ، خفنی بک کا عربوں کا فلسفہ، افلاق سلطان بک کی تاریخ زبان عربی وغیرہ متعدد لکچر کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں،

ابھی حال میں جامعہ کی روداد بابت ۱۹۲۱ء شائع ہوئی ہے، اس سے ذیل کے

اس وقت ہوا جبکہ اسے اسکندریہ کے باشندوں کو اس جرم میں کہ وہ فرس کی بنیاد کے مرتکب ہوئے تھے سزا دینے کی غرض سے حصہ برکٹان کو برباد کر دیا، نائش گاہ کے اراکین یا تو سمندر کے پار بھاگ گئے یا انہوں نے سیراییم میں پناہ لی، سیراییم کے کتب خانہ کو چھوٹا کتب خانہ کہتے تھے، مگر یہ ناممکن ہے کہ ہم ایسی ٹھیک تاریخ بتا سکیں، جس میں بڑے کتب خانہ کا خاتمہ ہوا، یا چھوٹے کتب خانہ کی ابتدا ہوئی، اگرچہ یہ معلوم ہے کہ موخر الذکر کتب خانہ کی بنیاد بطلموس فلاؤنفس نے رکھی ہو، اس سوال سے ہم کو کوئی تعلق بھی نہیں ہے، بلکہ یہ معلوم ہے کہ قدیم کتب خانہ چوتھی صدی میں فنا ہو گیا اور اسکے بعد یہ چھوٹا کتب خانہ قائم ہوا، یہاں سیراییم میں پھر علوم قدیم کی روایات محفوظ کی گئیں، ایک یونیورسٹی مع بیشمار کتابوں کے قائم کی گئی، جس طرح نائش گاہ میں ابتدا ہی سے اسکندریہ کی درس و تدریس کے ساتھ ارسطو کا نام وابستہ رہا تھا، اسی طرح سیراییم میں جاری رہا، یہ الفاظ دیگر فلسفہ اور حکمیات کی تعلیم و تعلم کے مشاغل جنگی وجہ سے اسکندریہ دنیا کی ذہنی تربیت کا مرکز تھا اب بھی جاری تھے صرف اس قدر تغیر ہوا تھا کہ ان علوم کا مرکز نائش گاہ سے سیراییم منتقل ہو گیا تھا۔ (باقی)

۱۵۰ کلادیم بک قسم کا تاریخ کا اسکول تھا، اسکول کا ڈسین نے قائم کیا تھا، نائش گاہ سے متصل تھا، مگر یہ کچھ کامیاب نہیں رہا، ڈاکٹر بولی چھوٹے کتب خانہ کی بنیاد ڈراچی بیڈرین سے بتاتے ہیں، پروفیسر ہانی کی اسپر آن ٹولیس دیکھو صفحہ (۱۶۷)

۱۵۱ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مورخین سیراییم کی عمارت کے ساتھ ارسطو کا نام وابستہ سمجھتے ہیں، مگر کا خیال غلط ہے کہ یہ وابستگی پہلے پہل نجاشین آن ٹولیمین مندرج کی گئی، اگر واقعہ یہ ہے کہ یہ قبطیوں اور عربوں دونوں کی روایات کا مرکز ہو، مگر کم کے رسالہ میں جو اسکندریہ کی تعلیم کا ارسطو کے اسکول کا تذکرہ ہے وہ صفحہ ۱۲۱ پر ہے، یہ بہت ممکن ہے کہ لفظ اسکول جو شعبہ علم کے مفہوم میں رائج ہو گا، درمگاہ کے مفہوم میں بدل دیا گیا، ارسطو کے سسٹم کا مطالعہ جو درجہ اولیٰ مشہور تھا، اسی سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ ارسطو خود نائش گاہ اور سیراییم میں درس دیتا تھا۔



معلومات بہم پہنچتے ہیں،

ارکان جامعہ | جامعہ کے اعلیٰ ارکان انتظامی میں ملک کے سربراہ آوردہ اصحاب داخل ہیں جن میں سے بعض وزارت کے عہدوں تک پہنچ چکے ہیں، بالفعل اس فہرست میں حسب ذیل نام ہیں،

حسین رشدی پاشا	رئیس (چانسلر)
عبدالحق پاشا شروت	وکیل (وائس چانسلر)
سعد زغلول پاشا	نگران عام
اسماعیل مدنی پاشا	
اسماعیل حسنین پاشا	
حسن سعید پاشا	نگران حسابات
مرقس بک خا (قبطی)	خزانی
علی بک بھجت	ناظم
موسیو واکر	ارکان
عبدالعزیز بک فہمی	
محمود پاشا فہمی	
محمد پاشا محمود	
محمد بک حلیمی عیسیٰ	

طلبہ | گذشتہ سال طلبہ کی تعداد ۱۶۱ تھی، جن میں سے (۲۱) نے تحصیل ادبیات (لٹریچر) اور (۲۹) نے قوانین فوجداری اور (۲۴) نے رات کے درس قانون اور (۶۹) نے دن کے درس

قانون میں شرکت کی، وہ لوگ جو غیر مشروط طریقہ پر دوران سال میں جامعہ کے درس میں شریک ہوئے ان کی تعداد (۹۲) تھی، اور یہ سب ادبیات کے درجوں میں داخل تھے، اصناف علوم | جامعہ میں بالفعل تین اصناف کے علوم سکھائے جاتے ہیں، ادبیات، قوانین فوجداری اور قوانین دیوانی، ادبیات میں حسب ذیل شعبے ہیں،

ادبیات زبان عربی، قدیم ایشیا کی تاریخ، اقوام اسلامیہ کی تاریخ، فلسفہ عام اور تاریخ فلسفہ، عربی فلسفہ اور علم الاخلاق، علم جغرافیہ اور علم الاقوام، انگریزی ادبیات، فرینچ ادبیات، سامی ادبیات والسنہ کا باہمی مقابلہ،

قوانین فوجداری کے حسب ذیل شعبے ہیں، قانون سزا، تحقیق جرائم، جرائم کی عملی تحقیق، علم اجتماع مجرمانہ، طب قانونی، علم امراض نفس،

قوانین دیوانی کے شعبوں کی تفصیل، روداد میں مندرج نہیں، نئے سال سے جامعہ اقتصادیات (اکاؤنٹی) کے تینوں شعبے سیاسی، مالی اور تجارتی قائم کرنا چاہتا ہے،

طلبہ کو یورپ بھیجنا | اس کے علاوہ جامعہ مستعد اور لائق طلبہ کو ہمیشہ یورپ کی درس گاہوں میں بھی تکمیل تعلیم کی غرض سے بھیجتا رہتا ہے، کیونکہ ابھی تک علوم عالیہ کی تعلیم کا سامان اس جامعہ میں مل نہیں ہو سکا ہے، مصری طلبہ زیادہ تر اٹلی کی درس گاہوں میں جاتے ہیں جو یورپ کے ملکوں میں مصر سے سب سے زیادہ قریب ہے اور جہان اخراجات بھی نسبتہ کم ہیں، اسکے بعد اؤنکادو سرامرکز، فرانس اور جرمنی ہے، اؤکسفرڈ اور کیمبرج میں بھی مصر کے طالب العلم جاتے ہیں مگر بہت کم، اڈنبرا کی طبی تعلیم گاہ میں البتہ بیس، بائیس طالب العلم ہیں،

سلسلہ خطبات علمیہ | ملک میں اشاعت تعلیم کا تیسرا طریقہ جامعہ نے یہ اختیار کیا ہے، کہ وہ مختلف اوقات میں عام اشخاص کے امانہ معلومات کے لیے ماہر اور کامل افہم اساتذہ



مختلف علوم پر لکچر دلاتا ہے، ان لکچرون کے لیے اہل ذوق اصحاب الگ چندہ دیتے ہیں، جامعہ کی مالیت | جامعہ کے مالی سال ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۲ء سے معلوم ہوتا ہے، کہ سال گذشتہ میں اس کی

کل آمدنی (۱۴۴۴۴) پونڈ یعنی (۲۱۶۶۶۰) روپیہ ہوئی، اور کل خرچ (۹۸۴۴) پونڈ یعنی (۱۴۶۶۶۰) روپیہ ہوا، اور باقی (۵۶۰۰) پونڈ مستقل مدین جمع رہا،

### آمدنی کی تفصیل حسب ذیل ہے

اعانت از سررشتہ تعلیمات	(۲۰۰۰) پونڈ
اعانت از صیغہ اوقاف	(۱۸۰۰) پونڈ
آمدنی از جامداد جامعہ	(۸۴۹۹) پونڈ

بقیہ رقم چندون سے اور فیس سے پوری ہوتی ہے،

کتابخانہ | جامعہ کے پاس ایک اپنا کتب خانہ بھی ہے، جس میں کتابوں کی تعداد ۱۹۱۱ء میں تقریباً بارہ ہزار تھی، یہ تمام کتابیں عربی اور یورپین زبانوں میں ہیں، اور یہ تمام تر لوگوں نے ہر شے جامعہ کو نذر کی ہیں، بہت سی کتابیں یورپ کی مختلف انجمنوں نے تحفہ بھیجی ہیں، کتابخانہ کے ناظر عبدالعزیز فحشی بے نے کتابخانہ کو جدید ترین طریقہ پر مرتب کیا ہے، شفیق بے منصور اور یحیی پاشا منصور یکن نے بھی اپنے اپنے کتب خانے جامعہ میں منتقل کر دیے ہیں، کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے

جلدون کی تعداد	طریقہ حصول
۸۶۶۰	یورپین زبانوں کی کتابیں جو جامعہ کو ہدیہ ملیں
۱۲۷۰	عربی کتابیں ہدیہ ملیں
۱۵۰۰	شفیق بے منصور کا یورپین زبانوں کا کتابخانہ
۲۵۰	شفیق کی عربی کتابیں
۲۵۰	یحیی پاشا منصور کی کتابیں
۱۱۹۳۰	

## بخارا کا نظام حکومت

آج کل ملکوں کی تاریخ اس قدر جلد بدل رہی ہے کہ لکھنے والے کے قلم کی سیاہی خشک نہیں ہوتی ہے کہ اس کو اس ملک کی تاریخ کا نیا باب لکھنا پڑتا ہے، ابھی کل تک بخارا روس کا ایک باجگذار صوبہ تھا، انقلاب روس کے بعد وہ ایک مستقل ریاست بن گیا جس پر ایک خود مختار امیر حکمران تھا، اس انقلاب پر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ جدید بخاری تعلیم یافتہ جماعت نے اس قدیم طرز حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، بخارا میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب کو جب دیدی کہتے ہیں۔ جدید یون نے بالشویک روس سے امداد طلب کی اور انکی مدد سے، ایک جمہوری نظام حکومت ملک میں قائم کیا، اس جمہوری انقلاب کے اعوان و ارکان زیادہ تر نوجوان طلبہ تھے اور انکا سرعہ فہم فیض اللہ خواجہ ایک سوداگر زادہ تھا،

اب آج کے اخبارات میں آپ پڑھیں گے کہ بخارا کے ترکمانوں نے انور پاشا کے زیر قیادت بالشویکوں سے کامیاب جنگ کی، اور ملک کو بائیکو نکی خارجی اطاعت سے بھی بے نیاز کر دیا، عثمان خواجہ بخارا چھوڑ کر باہر چلا گیا ہے،

بخارا مشرق وسطیٰ کا سب سے اہم نقطہ ہے، قدیم اور جدید دونوں تاریخوں میں اسکو ایشیائے وسطیٰ کے دل و دماغ ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اسکا رقبہ حکومت مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے، اسوقت یہ ملک جس قدر رقبہ پر محیط ہے، وہ (۲۰۵۰۰۰) کیلومیٹر مربع ہے اور وہاں کے باشندوں کی تعداد بیس لاکھ کے قریب ہے، جن میں ترکمان، تاجیک، ترک، قرغیز، انغان، اتاتار اور ایرانی مختلف قوموں کے افراد داخل ہیں، یہ تمام تر مسلمان ہیں کچھ



یہودیوں و ہان آبادین، پایہ تخت بخارا کی آبادی ایک لاکھ ہے۔

یہاں کا موسم گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہوتا ہے، ملک میں سرسبز و شاداب قطعات بہشت ہیں، پیداوار میں گیہوں، جوار، روئی، تنباکو اور مختلف قسم کے میوے یہاں ہوتے ہیں، جانوروں میں اونٹ، گائے، بیل اور گھوڑے یہاں پائے جاتے ہیں، اپنے جغرافیہ جاسے وقوع کے لحاظ سے اسکی تجارتی اہمیت مسلم ہے، یہ ایشیا کے قلب میں چین، افغانستان، ایران اور روس کے بیچ میں تجارتی کاروانوں اور قافلوں کا رہگذر ہے، ملک میں ۵۰۰ کیلو میٹر تک ریلوے لائن بھی ہوئی ہے، جسکے ذریعہ سے یورپ بحر قزوین (کیسپین سی) اور قزمانہ سے مل جاتا ہے۔ یہاں کی خام تجارتی پیداوار کا بڑا حصہ روئی اور ریشم ہے،

تیموری فتح کے بعد ۱۳۹۹ء میں ازبکی قبیلہ نے اس پر حملہ کیا اور اسکو فتح کر کے یہاں ایک خود مختار مارت قائم کی ۱۳۹۹ء میں روس نے اس پر پہلا حملہ کیا، اور سمرقند اور زرافشان کے دو صوبے اس سے چھین لیے ۱۸۶۸ء میں یہ پوری ریاست روسی شہنشاہی میں داخل ہو گئی، اور اسوقت سے لیکر گزشتہ روسی بالشویک انقلاب تک وہ روس کی ایک باجگزار ریاست تھی جسپر ایک امیر برائے نام نسلاً بعد نسل حکومت کرتا تھا، لیکن اصل حکومت روسی رینری ڈنٹ مقیم بخارا کے ہاتھ میں تھی،

۱۹۱۷ء کے روسی بالشویک انقلاب میں جس طرح روس کے دیگر مقبوضات آزاد ہو گئے ترکستان کی یہ ریاست بھی آزاد ہو گئی، اور پہلا امیر بخارا کی حکومت قائم ہوئی اور جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، اس کے بعد ایک جمہوری حکومت کی صورت میں وہ منتقل ہوئی جدید تعلیم یافتہ بخاریوں کی ہمہ جہت اصل میں اب حکمران ہے، اس کے ارکان کا اہل ملک انتخاب کرتے ہیں اس جمیعت کے ماتحت دو مجلسیں ہیں ایک کا نام مجلس مرکزی تنفیذی اور دوسری کا

نام ”مجلس قومی“ ہے مجلس قومی کے ارکان جب منتخب ہو جاتے ہیں تو وہ مجلس مرکزی کے ارکان کا انتخاب کرتے ہیں مجلس مرکزی کے کل ممبروں کی تعداد (۸۵) ہوتی ہے، مجلس مرکزی سات ممبروں کی ایک اور مجلس منتخب کرتی ہے، جسکا نام ”مجلس ریاست جمہوریہ“ رکھنا زیادہ موزوں ہے یہ ساتوں ممبر ملکر آپس میں ایک کو رئیس (پریسیڈنٹ) مقرر کر لیتے ہیں، یہ رئیس اسوقت تک اپنے عہدہ سے معزول نہیں ہو سکتا جب تک مجلس مرکزی شکست نہ ہو جائے، رئیس کی مدد کے لیے دو نائب، دو مشیر، دو سکریٹری منتخب ہوتے ہیں، تمام معاملات کی زمام اصل میں اسی مجلس کے ہاتھ میں ہے، صیغوں کی نگرانی، اور معاملات کا انتظام سب ہی انجام دیتی ہے،

مجلس مرکزی کے ماتحت دس وزارتیں قائم ہیں،

وزارت عظمیٰ، امور خارجہ، امور داخلہ، وزارت عدل، وزارت علوم و فنون، وزارت مال، وزارت زراعت، وزارت جنگ، وزارت حفظان صحت، وزارت نگرانی عام، آخری عہدہ بالکل نیا ہے اسکا مقصد تمام صیغوں کی عملی نگرانی ہو جو موجودہ رئیس کا نام عثمان خواجہ ہے، جو بخارا کے مشہور علماء میں سے ہیں،

## تسہیل البلاغت

فن فصاحت و بلاغت و بدیع پر اردو زبان میں ایک محققانہ اور دلچسپ کتاب، اردو زبان میں اسوقت تک اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر موجود نہیں، مصنفہ پروفیسر مرزا محمد سجاد بیگ دہلوی، صفحات ۲۳۲، قیمت ۲۰ روپے

منیجر



## اختر اخبار علیہ

لارڈ نارتمتھ کلف، مشہور مالک اخبارات نے اپنے اخباری عمل کے سامنے حال میں بیان کیا کہ میں نے دوران سیاحت میں امریکہ، چین، جاپان، آکٹا، نیوزیلینڈ، آسٹریلیا، اور ہندوستان کے مشہور اخبارات کے دفاتر کا معائنہ کیا، میرے علم میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اخبارات انگلستان اور اسکی نوآبادیوں کے ہیں، البتہ اخبار بینی کے شوق میں امریکہ اور کناڈا والوں کا نمبر انگلستان والوں سے بڑا ہوا ہے، وہاں اوسطاً ہر شخص بمقابلہ انگلستان کے کئی کئی اخبارات زائد دیکھتا ہے، شوق اخبار بینی کے لحاظ سے سب سے بڑا ہوا نمبر نیوزیلینڈ کا ہے، جس کی کل آبادی اتنی بھی نہیں، جتنی شہر و مصافات مانچسٹر کی ہے، با اینہم یہاں اس وقت ۶۲ روزنامہ شائع ہو رہے ہیں جن میں بعض بہترین اقسام کے ہیں۔

(ڈیلی میل)

فائن زوب، جو یورپ میں اس وقت سیکہ جات نادرہ کے جمع و فراہمی میں خاص شہرت رکھتے ہیں، انکے پاس سب سے بڑی جسامت کا سکہ موجود ہے، یہ تانبے کی ایک پلیٹ ہے، جسکی جسامت ۱۰ انچ مربع، اور جسکا وزن ۱۶ پونڈ ہے، یہ سیکہ ملک سویڈن کا ہے، اور اس پر سنہ ۱۷۷۳ء کی مہر ہے، یہ سیکہ چار ڈیلر (ڈیلر بھی ایک قدیم سکہ کا نام ہے) کا چلتا تھا،

(ماڈرن ریویو)

ملک پیرو (جنوبی امریکہ) کے ایک انجیر جان کرٹیل کو ایک قدیم امریکی سردار کی نقش مختار دستیاب ہوئی ہے، جو مصر کی محفوظ نقشون سے بھی بہتر حالت میں ہے، یہ نقش چار سو برس کے زمانہ کی ہے، ۱۱ در قدیم صرف ۲۵ انچ ہے، اظاہر ہے کہ یہ مردہ کی اصلی جسامت نہیں، بلکہ ایک خاص ترکیب سے یہ لوگ لاشون کو ٹیکہ لیتے تھے،

—\*—

سنہ ۱۸۷۵ء میں، مالک عالم میں جدید کتابیں حسب ذیل تعداد میں شائع ہوئیں، ان اعداد میں مطبوعات قدیم کے جدید ایڈیشن شامل نہیں۔

جرمنی	۳۲۳۴۵
برطانیہ	۱۱۰۰۴
امریکہ	۸۵۹۴
فرانس	۶۳۱۵
اطلی	۶۲۳۰

جاپان میں سالانہ مطبوعات (جن میں قدیم و جدید دونوں شامل ہیں) کا اوسط ۲۵۰۰۰

(۷)

رہتا ہے،

چند سال ہوئے اسپین میں چند غار ایسے دریافت ہوئے جنہوں نے علماء و اثریات کے حلقہ میں ایک بھل سی ڈال دی۔ غاروں کا یہ سلسلہ خدا معلوم کب سے بند چلا آتا تھا، اتفاق سے انکا منہ کھل گیا، اندر جا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک طرح کا عجائب خانہ ہے جس میں صد ہا ہزار ہا جانور دن کی تصویریں موجود ہیں، ان حیوانات کی بعض انواع مفقود



ہر چکی این، اور بعض ایک موجود ہیں، بعض حیوانات کے اعضاء، ریشہ قلب، شش، جگر، وغیرہ کی تصویریں الگ کر کے بھی دی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نقوشوں کے بنانے والے فن تشریح سے بھی واقف تھے، ماہرین فن کا خیال ہے، کہ ان نقوش و تصاویر کی تیار کا زمانہ، ۲۰۰۰۰ و ۲۵۰۰۰ سال قبل مسیح کے درمیان کا زمانہ ہے،



سراٹوڈ برٹو، جو ایک خاص دوا، "برڈس کسٹرد پوڈر" کے کارخانہ کے مالک تھے، چند ماہ ہوئے انہوں نے وفات پائی، تو معلوم ہوا، انہوں نے محض اشتہارات کے بل پر جو دولت کمائی، اسکی آمدنی سے ۶۵۳۶۵۶ پونڈ کی قیمت کی مستقل جائداد چھوڑ گئے ہیں! چند اور مشہور مشہرین کی دولت کے اعداد ذیل سے، مغرب میں اشتہار کی قوت زرخیزی کا اندازہ ہو گا۔

لارڈ برٹن (تاجر شراب)	۴۰۰۰۰۰ پونڈ
سرفریڈرک ولس (تاجر تباکو)	۲۹۱۸۱۱۴
مشریٹر رائسن (مالک کارخانہ خیاطی)	۱۱۱۹۶۶۱
مشریٹر ولیم دہائیگی (مالک بساط خانہ)	۱۴۵۲۸۲۵
سرنہری ٹیٹ (تاجر شکر)	۱۲۶۳۵۶۵
مشریٹر فلرڈ (مالک دوا خانہ)	۱۳۱۱۰۰۰
مشریٹر لڈلی میسل (مالک کارخانہ فرنیچر)	۲۱۵۸۲۹۲
مشریٹر چارلس لی (چٹنی فروش)	۱۰۴۰۱۳۴
مشریٹر پلوٹ (دوا فروش)	۴۲۹۴۴۲۳

مشریٹر (مالک کارخانہ نمک ہانسم)

مشریٹر ہینز (چٹنی دوا چار فروش)

۱۷۱۱۹۰۴ پونڈ  
۱۱۲۲۰۰۰  
ڈیوٹی میل



طویل العمری میں تامل کی زندگی معین ہوتی ہے یا تجرد کی؟ اس سوال کے جواب میں کارنل یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر وکاکس نے کنواروں اور شادی شدہ اشخاص کی شرح اموات کے متعلق اعداد ذیل شائع کیے ہیں،

سن و سال	مقابلہ اشخاص	مجرد اشخاص	شرح اموات
۲۰ و ۳۰ سال کے درمیان	۴۱۲	۶۱۶	
" ۳۰ و ۴۰	۶	۱۳	
" ۴۰ و ۵۰	۹۱۵	۱۹۱۵	
" ۵۰ و ۶۰			مجرد اشخاص کی شرح اموات بہ مقابلہ مقابل کے بہ قدر افسردہ
" ۶۰ و ۷۰			کے زائد ہوتی ہے، اور
" ۷۰ و ۸۰			بہ قدر ۱۹ فی صدی کے،

خود کشتی کرنے والوں کی تعداد میں پورا پکا حصہ مجرد اشخاص کا ہوتا ہے،

(امریکن جرنل آف ڈیٹیل ایسوسی ایشن)



ایک فرنیچر مخترع، میو یوجین رویر نے ایک خاص قسم کی روشنی ایجاد کی ہے، جسکا شعلہ پانی کے اندر ۱۳۰ فٹ کی گہرائی تک روشن رہیگا، اور جس کی مدد سے پندرہ اپنھونی



منٹ کے حساب سے، لوہے کی دبیر چادرون کے آر پار نظر کی جاسکے گی، سائنٹفک حلقوں میں  
اس ایجاد کو ایک معجزہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے،



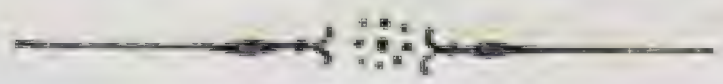
بروایسٹ یونیورسٹی (ہنگری) کے پروفیسر کولین ڈی ٹیلنسنز کی نے ایک ایسا عرق تیار  
کیا ہے، جسکے جسم میں داخل کر دینے سے لاش اپنی حالت پر قائم رہ جاتی ہے، اور بقول پروفیسر  
موصوف کے سیکڑوں ہزاروں برس تک اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہے، کچھ روز ہوئے ایک  
شخص کے جسم میں اسکی وفات کے دس روز بعد یہ عرق بذریعہ پمپکاری کے داخل کیا گیا، اور  
نفس مثل پتھر کے سخت ہو گئی۔ یہی عرق سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک نوجوان لڑکی کے جسم میں داخل  
کیا گیا تھا، اسوقت سے اب تک اسکی لاش اپنی بالکل اصلی و طبعی صورت میں محفوظ ہے،  
باون تک میں سر مو فرق نہیں آیا ہے، پروفیسر صاحب کی خواہش ہے کہ یہ طریقہ زیادہ  
عام نہ ہونے پائے، بلکہ ہر ملک کے صرف شاہیر کے ساتھ مخصوص رہے، تاکہ آئندہ نسلیں ہمیشہ  
انکی صورتوں کی زیارت کر سکتی رہیں، پیرس کے ڈاکٹر بار تھانے اس طریقہ میں کچھ اور  
اصلاح و اضافہ کیا ہے، ان کا دعویٰ ہے، کہ اس طور پر نفس کی تازگی دس ہزار سال  
کی مدت تک قائم رہ سکے گی،



جرمنی کے ڈاکٹر الفرڈ وگنر نے اپنی ایک تازہ تصنیف میں دعویٰ کیا ہے، کہ ممالک  
وہجرا عظم براہ مغرب کی جانب حرکت کرتے جاتے، اور رفتہ رفتہ اپنی موجودہ جگہیں چھوڑتے جاتے  
ہیں، جن کے بجائے سمندر اور بحر اعظم پیدا ہوتے جاتے ہیں، چنانچہ آج جو سمندر بحر ہند کہلاتا  
ہے وہ بیان کسی زمانہ میں ہندوستان آباد تھا، اور اسکی بادی افریقہ و آسٹریلیا سے پیوستہ تھا،

علیٰ ہذا آسٹریلیا کسی زمانہ میں نیوزیلینڈ سے منسلک تھا، حالانکہ اب دونوں میں بُعد عظیم  
ہو گیا ہے، و قیس علیٰ ہذا،

نیچر



ایک عالم نفسیات مشر آرتھر لینگ کھتے ہیں، کہ پیرس کے ایک نامور طبیب و فلسفی ڈاکٹر  
ریشے نے حال میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے، کہ ایک سکند کی مدت میں انسانی دماغ ۱۲/۳  
تصورات یا خیالات سے مشغول رہ سکتا ہے، لیکن میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ  
یہ تحقیق صحیح نہیں۔ میں نے ایک بار متعدد شاعروں کے کلام سے اقتباسات کئے، اور مختلف  
علوم، عضویات، فلکیات وغیرہ کی کتابوں کی بعض عبارات لیں، نیز چند دشوار قواعد  
ریاضی کا انتخاب کیا، اور ان سب کو ازبر کر کے دل ہی دل میں دہرا نا شروع کیا، ابتداً  
اس میں سخت زحمت ہوئی، اور بہت زیادہ وقت صرف ہوا، لیکن کچھ روز میں طبیعت اہل  
نور ہو گئی، کہ آدھ گھنٹہ کے اندر میں ہر آسانی ان تمام معلومات کو ذہن کے سامنے آتا  
تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفتار خیالات کسی متعین شرح کی پابند نہیں، اسکا دار و مدار شق  
و فراولت پر ہے، اور سعی و کوشش سے اس میں بہت کچھ ترقی کرتے رہنا ممکن ہے، پھر یہ بھی  
صحیح نہیں، کہ وقت واحد میں ذہن کے ساتھ متعدد خیالات یا تصورات آسکتے ہیں۔ دراصل  
ذہن کے سامنے ایک وقت میں صرف ایک ہی خیال یا تصور آسکتا ہے، یہ اور بات ہے  
کہ وہ تصور بہت سے تصورات کا مرکب اور انپر حاوی و جامع ہوا،



موجودہ سائنٹفک تجربات سے ثابت ہو گیا ہے، کہ شور و غل کا اثر صحت انسانی  
کے حق میں نہایت مضر واقع ہوتا ہے، فوج کے جگ، پولس کی سیٹی، انجنوں کی آواز،



## اخترِ پیا

خلوتیانِ راز کا خالص اک پیام ہے  
 کسے فروغِ حسن کا آج یہ فیضِ عام ہے  
 اسکی نگاہ میں کہاں طور کا احترام ہے  
 چشمِ نظر پرست میں جسکا جہانِ نام ہے  
 عشق کی کاسیا بیان اک فقط اتمام ہے  
 ایک داسے پرکوت لاکھ نواہی پرخوش  
 حسن کی بارگاہ میں رکھتے قدم سنبھالکر  
 شینہ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو  
 گرمی سوزِ عشق سے دل کو جلا تو بولہوس  
 بندگی جنون ادا بخودی ادبِ سرشت  
 اسکی نظر پھرے تو پھر اکون ہی جہان میں  
 ایک بلا کی بخودی ایک غضب کی بھی  
 شوق کی اہتا کہو یا کہ فریبِ عاشقی  
 بند کے ذرہ ذرہ سے آج تک آتی ہے صدا  
 حسنِ صال دوست بھی منزلِ تمام ہے  
 شامِ شاربِ صبح ہی صبحِ شاربِ شام ہے  
 جسکو نصیب یار کا جلوہ زیرِ بام ہے  
 حسنِ تمام یار کا جلوہ ناتمام ہے  
 شوق جو ناتمام تھا دید بھی تمام ہے  
 وہ روشِ خواص تھی یہ روشِ عوام ہے  
 یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے  
 عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے  
 صبح کو جو بوجھ سکے یہ وہ چراغِ شام ہے  
 حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے  
 جسکی نظر سے منضبط سلسلہ نظام ہے  
 دورِ حیات کہتے ہیں جسکو وہ دو جام ہے  
 شور اناجیب کا خاصہ مقام ہے  
 جو ہے شہید تیغِ عشق موت سے حرام ہے

ابو خدا کے واسطے اپنے کار و جگر ثبوت

خواب گراں دہی ہے اور وقتِ قریب شام ہے

اور اس قسم کے صد ہا دیگر شور و شہری اور تمدنی زندگی میں ناگزیر ہو گئے ہیں، ان سب کے برداشت کرنے میں جس قدر ذخیرہ قوت کا صرف ہوتا ہے، اسکی پیمائش کے لیے حال میں ایک آر بھی ایجاد ہو گیا ہے

(پاپولر سائنس)



دینا دردار حکومت آسٹریا سے خبر آئی ہے کہ ایک نابینا شخص کے حلقہ چشم میں ایک دوسرے شخص کی آنکھ رکھ دی گئی، اور اس سے نابینا شخص کی بصارت از سر نو عود کر آئی ڈاکٹر بیلو کہتے ہیں کہ اس خبر میں کچھ بھی استبعاد نہیں، جنگ کے قبل آنکھ کو بہت ہی نازک عضو خیال کیا جاتا تھا، لیکن دورانِ جنگ کے تجربات نے ثابت کر دیا کہ مثل دیگر اعضاء انسانی کے آنکھ میں بھی ہر قسم کے اعمال جراحی کیے جاسکتے ہیں، اور نہ صرف ایک انسان کی آنکھ نکال کر دوسرے کے حلقہ چشم میں رکھ دی جاسکتی ہے، بلکہ اکثر حیوانات کی آنکھوں سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ جنگ سے قبل اس قسم کے دعویٰ کو معجزہ قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن آج یہ ایک طبی واقعہ بن گیا ہے،

(۱۱)



ثوابتِ فلکی میں روشن ترین ستارہ کا اصطلاحی نام سیریس ہے، تاہم تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ستارہ جواب تک ساکن و غیر متحرک تسلیم کیا جاتا تھا، ایک انچھ فی صد سال کی شرح سے حرکت کرتا رہتا ہے، اگر ہر ارض سے اسکا جو عظیم اُشان فاصلہ ہے اسکی لحاظ سے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ روزانہ ۱۰ لاکھ میل کی شرح رفتار سے حرکت کرتا ہے،

(۱۱)





## اوراق پارینہ

### موید الاسلام

از مولوی عبد الماجد صاحب لی۔ اے

اردو کا ذخیرہ ادب جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کہا جا چکا ہے، واقعہً اس قدر قلیل نہیں، جتنا سرسری نظر میں معلوم ہوتا ہے، اس ظاہری افلاس کا ایک بہت بڑا باعث یہ ہے کہ اردو میں کتابوں کی نشر و اشاعت کا کوئی معقول انتظام نہیں، میسڈن اعلیٰ مطبوعات ہر سال نکلتی رہتی ہیں مگر بجز ایک محدود جماعت کے کسی کو ان کے وجود کی کاؤن کان خبر نہیں ہوتی، ان سے بھی زیادہ افسوسناک حالت مطبوعات قدیم کی ہے، پہلے سو برس کے اندر تصنیف و تالیف و ترجمہ کے ذریعہ سے اردو کے خزانہ میں صد ہا جواہر کا اضافہ ہو چکا ہے، اور یہ فہرست افسانہ، شاعری، سائنس، فلسفہ، تاریخ، کام، تصوف، لغت، ادبیات وغیرہ جملہ عنوانات پر مشتمل ہے، لیکن آج یہ کتابیں قعر گنما میوے نشانی میں پڑی ہوئی ہیں، اور کسی کو ان کے وجود کی خبر تک نہیں، اوراق پارینہ کے نام سے جو جدید عنوان معارف کے اس نمبر سے قائم ہوتا ہے، اسکے ذیل میں انہیں فراموش شدہ مطبوعات قدیم کا ذکر ہوتا رہیگا، امید ہے ناظرین کرام بھی اس باب میں کارکنان معارف کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے۔

انیسویں صدی کے وسط میں انگلستان میں ایک ممتاز اہل قلم جان ڈیون پورٹ نے متعدد تصانیف و مضامین انکی یادگار میں، تصانیف میں ان کا رسالہ متعلق صوبہ اودھ، اور تالیف مخصوصہ کورگ وراجگان کورگ قابل ذکر ہیں، انہیں اسلام سے خاص محبت ہو گئی تھی، اگرچہ اسکی کوئی

شہادت موجود نہیں کہ وہ مسلمان ہو بھی گئے تھے، انھوں نے دیکھا کہ خود انکے ہوطن ہنوم ارباب قلم اسلام و پیغمبر اسلام پر اتہامات و غلط الزامات کی یورش کر رہی ہے، یہ دیکھ کر انھوں نے ان افترا پر دازیوں کی تردید میں ایک رسالہ "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" کے نام سے شائع کیا جسکا صحیح ترجمہ "محمد و قرآن کی بریت" ہو سکتا ہے،

کتاب چار ابواب پر منقسم ہے، باب دوم و چہارم میں انھوں نے قرآن کی خوبیاں بیان کی ہیں، اور مغربی معترضین کے جوابات دیئے ہیں، باب اول و سوم سیرت بنوی سے متعلق ہیں سادہ و غیر متعصبانہ بیان واقعات زندگی کے علاوہ ان حصوں میں جہاد، معراج، تعدد ازول و غیرہ کی حقیقت بیان کی ہے اور الزامات کی تردید کی ہے، اسلامی حلقوں میں کتاب کو خاصہ حق قبول حاصل ہوا، اور پہلی صدی کے متکلمین اسلام نے اس سے کافی استناد کیا، سرید خطبات احمدیہ میں جا بجا اسکے حوالہ دیتے ہیں، مولوی چراغ علی، سید امیر علی، سب کے ہاں ڈیون پورٹ کے اقتباسات ملتے ہیں، البتہ اب یہ کتاب گویا معدوم ہو گئی ہے، جن پرانے کتب خانوں میں ہے، وہیں ہے، کتب فروشوں کے ہاں دستیاب نہیں ہوتی،

"موید الاسلام" اسی کتاب کے اردو ترجمہ کا نام ہے، مولوی محمد عنایت الرحمن خان صاحب دہلوی نے حسب فرمائش خواجہ مرزا قمر الدین خان اسکا ترجمہ کیا، اور خواجہ صاحب کے مطبع بدرالدجی (چاندنی چوک، دہلی) سے اسکی اشاعت ہوئی، سال طبع ۱۲۸۶ھ ہے، اس حساب سے اسے طبع ہوئے ۵۳ سال قمری اور ۵۲ سال شمسی اسوقت تک ہو چکے ہیں، ۲۰ x ۲۶ کی تقطیع پر دو سو صفحہ کی ضخامت ہے، خط صاف و روشن ہے، کتابت کی غلطیاں نسبتاً کم ہیں، مترجم نے جا بجا اپنی طرف حواشی کا اضافہ کیا ہے،

دیباچہ، مرزا غالب کے شاگرد رشید میر مہدی مجروح کا لکھا ہوا ہے، اور اس زمانہ کے



عام دستور کے مطابق حمد، نعمت، و سبب تالیف پر مشتمل ہے، حمد کا رنگ یہ ہے :-

”سر اوار پریش اس وعدہ لاشریک کی ذات ہے، جس کے ایک لفظ کن کی یہ ساری کائنات ہے، اس کے دربار کمال میں آسمان سے ہزاروں حباب، اس کے پر تو نور اجلال کے ہر داہ سے لاکھوں کو اکب ضیا یاب، قطرہ آب اس کے فیض عمیم سے در نہایاب بجاتا ہے، پتھر کی عنایت عمیم سے یا قوت ناب ہو جاتا ہے، وہ دانہ خشک سے ہرزہ تر نکالتا ہے، اس کے حکم سے خاک سے آب پاک جاری ہو جاتا ہے، کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی دن ہے کبھی شب ہے، غرض اس صانع مطلق کا جو کار ہے عجب ہے،

نعت کا نمونہ یہ ہے :-

”وہ جس کے سبب جہان کی نمائش و آدم کی پیدائش ہوئی.... وہ جس کی نعلین تاج سر عرش برین وہ جس کے ادنیٰ خدنگار دن میں روح الامین، وہ جس کے خاک آستان پر سر عجز آسمان، وہ جس کا محکوم زمین و زمان.... وہ لباس بشر میں نور خدا تھا واللہ اعلم کیا ماجرا تھا، بندہ ہو کر خدا کا جلیب ہو، یہ رتبہ کس کو نصیب ہو، غالب

تمنائے دیرینہ مکر و گار بوسے ایزد از غولیش امیدوار

ز رازِ نہان پردہ برزودہ ز ذات خدا معجزہ سرزودہ

سبب تالیف کتاب ان الفاظ میں درج ہے :-

”حجت حق اسے کہتے ہیں، اور اثبات دعویٰ راستی کے بھی معنی ہیں، حضرت کی علویت مرتبہ کو منکران نبوت بھی مان جاتے ہیں، اور اہل استخفاف کی زبان سے بھی کلمات حق نکل جاتے ہیں، چنانچہ فی زمانہ دار السلطنت لندن میں صاحبان انگلشیہ میں سے ایک صاحب کہ جس کا نام نامی جون ڈیون پورٹ صاحب ہے، اور نہایت اپنے علم میں ذی استعداد و

دور بخ بے بدل و انصاف دوست و راستی آشنا ہیں، انھوں نے کچھ ہمارے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقائع عمری تحریر کیا ہے، اور بعض بعض الزامات کا جو غیر مذہبون نے بہ سبب تعصب مذہبی کے آنحضرت کی نسبت لگائے ہیں، ان کا جواب لکھ کر انکو دفع کیا ہے، جب وہ کتاب چھپ کر ہندوستان میں آئی تو اس کے پڑھنے کو ہر ایک مستدار بنوی کی طبیعت لہرائی، چونکہ انگریزی زبان ہر ایک نہیں جانتا، اس واسطے شفقتی خواجہ قمر الدین صاحب عرف خواجہ مرزا صاحب خلع الصدق خواجہ بدر الدین جان صاحب عرف خواجہ امان عاصی صاحب مترجم بوستان خیال کہ جوان نجیدہ و فہیدہ ہیں، انھوں نے یہ چاہا کہ یہ کتاب زبان انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہو جائے، تاہر ایک شائق اس کے پڑھنے سے حفا اٹھا دے اور اس کا خیر کے انصرام میں ثواب بھی عاید حال ہو جائے، یہ خیال کر کے خواجہ صاحب موصوف نے اسکی درستی میں کمر ہمت چست باندھی اور محمد عنایت الرحمن صاحب سے کہ وہ فن ترجمہ نگاری میں دستگاہ تام رکھتے ہیں، کتاب مذکور کا ترجمہ کر دیا، جب ترجمہ ہو چکا تو موید الاسلام نام رکھا، اور تصد انطباع کیا، اور اس خاکسار یحیدان ہمدی بحدوح سے دیباچہ لکھنے کو فرمایا، بندہ خواجہ صاحب کا حکم بسر و چشم بجالایا کو اسطے کہ رضا جوئی اصحاب کا رثواب ہے، اب آگے اصل مطلب کتاب ہے، فقط“

اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز وقائع عمری آنحضرت سے ہوتا ہے، اقتباسات ذیل سے

مصنف کے طرز خیال اور مترجم کی طرز ادا و دون کا اندازہ ہو سکیگا، ابتدا بحر سخن یوں ہوتی ہے :-

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فتح کرنے والوں میں ایک کا بھی نام اسطرح نہیں

لیا جاسکتا، جسکی وقائع عمری آنحضرت کی وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور صداقت سے

لکھی گئی ہوں، فی الحقیقت اگر ہم آپکی سوانح عمری کو ان معجزات اور تعجبات سے برکزدین



جوائشیائی مورخوں نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں تو بالقی اچھی طرح سے یقین ہو سکتا ہے۔  
 آپ کے ولادت کے زمانہ میں اکثر عرب کے حصے غیر قوموں کے زیر حکومت تھے، کوہستانی  
 عرب کے تمام شمالی حصے اور ملک شام و فلسطین و مصر بادشاہان قسطنطنیہ کی عملداری میں تھے  
 اور خلیج فارس کے کنارے اور وہ ملک چین دریا سے دجلہ و فرات بہتے ہیں، اور ملک  
 جزیرہ نما عرب کے جنوبی حصے خردان فارس کے قلمرو میں شامل تھے، بحر قلم کے  
 ساحل کا ایک حصہ مکہ معظمہ کے جنوب تک عیسائی بادشاہان ابی سینیا کا ماتحت تھا.....  
 اہل عرب کو نہ عقبی کا اور نہ دنیا کے مخلوق ہونے کا یقین تھا، وہ عالم کی خلقت کو زمانہ کی  
 گردش سے اور آئندہ کے معدوم ہونے کو انجام وقت سے منسوب کرتے تھے، عیاشی اور  
 قزاقی کا ہر جاذبہ تھا اور چونکہ موت کو ہستی کا انجام محض خیال کرتے تھے، لہذا انہی کی جزا  
 مانتے تھے نہ بدی کی سزا۔“

قرآن سے متعلق ایک یورپ نژاد مسیحی کے خیالات ذیل دلچسپی سے پڑھے جائیں گے:-  
 بھلا محاسن اور خوبیوں قرآن شریف کے چہر اہل اسلام کو ناز کرنا بجا ہے، دو باتیں  
 نہایت عمدہ ہیں، اول قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جہیں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے، اور جسکے  
 سننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا ہے، اور خوف آتا ہے، اور جس عبارت  
 میں خدا تعالیٰ کی نسبت ان جذبات کا منسوب ہونا نہیں منسوب کیا گیا ہے، جو انسان کے  
 واسطے مختص ہیں، دوسرے تمام قرآن شریف ان خیالات اور الفاظ اور قصص سے  
 برآ ہے جو خلاف تہذیب خیال کئے جاسکتے ہیں، مگر افسوس یہ عیب یہودیوں کی مقدس  
 کتابوں میں اکثر واقع ہیں، حقیقت میں قرآن شریف ان عیوب سے ایسا برآ ہے کہ انہیں  
 ذرا سی بھی حرف گیری ناممکن ہے، اور اگر ہم اسے اول سے آخر تک پڑھیں تو کہیں ایسی

بات نہ واقع ہوگی کہ جس سے ہنسی آجائے۔“

مسیحی مورخین علی العموم مسلمانوں کو کبتخانہ اسکندریہ کے جلانے کا مجرم قرار دیتے ہیں،  
 ڈیون پورٹ صاحب اس الزام کی پر جوش تردید کرتے ہیں:-

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ۶۳۱ء عمر کو حکم دیا کہ وہ اسکندریہ کے کبتخانے  
 جلادے، اور اسکی تمام کتابوں کو ساجد کے حامون میں صرف کرے، یہ الزام بالکل جھوٹا  
 کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ ٹولیز کے کبتخانہ کی چار لاکھ یا سات لاکھ کتابیں جو یس قیصر کی  
 لڑائی میں جل گئی تھیں، یہ الزام جسے اکثر مورخ علی التواتر لکھتے ہیں، بالکل بے بنیاد ہے،  
 اور اسکا کذب مندرجہ ذیل دلائل سے ظاہر ہے، دلیل (۱)، انحضرت کا حکم ہے کہ یہودی  
 اور عیسائیوں کی مذہبی کتابیں جو فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں انہیں برباد نہ کرنا چاہیئے،  
 اور کتب عرض و فلسفہ و تاریخ وغیرہ بھی جو مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان سے فائدہ اٹھانا  
 چاہیئے، پس ایسا کیونکر ہو سکتا ہے، اہل اسلام انحضرت کی عدول علمی کرتے اور اس کبتخانہ کو  
 جلادیتے، دلیل (۲)، ابو الفرج کہ جسکے خاندان نے اس کبتخانہ کے جلنے کی روایت بیان  
 کی وہ اس زمانہ سے چہ سو برس پیشتر ہوا ہے، جس زمانہ میں کہ اس واقعہ کا ہونا بیان  
 کیا گیا ہے، علاوہ اسکے اور مورخان قدیم خواہ عیسائی ہوں یا مصری کسی نے اس حادثہ کا  
 ذکر نہیں کیا۔ دلیل (۳)، سینٹ کرامی، جس نے کہ اسکندریہ کے کبتخانوں کی تحقیق میں  
 بہت سی کتابیں لکھی ہیں، لکھتا ہے کہ یہ حکایت بالکل جھوٹی ہے، کیونکہ اسکندریہ میں  
 بڑے بڑے اور قدیم کبتخانے چوتھی صدی سے پہلے تھے، تعجب کی بات ہے کہ زمانہ محفل  
 مورخ اس حکایت کو بیان کرتے ہیں، حالانکہ گبن صاحب مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ  
 حکایت مشکوک ہے کیونکہ نہ تو مسلمانوں کی شان سے ایسی حرکت صادر ہوتی معلوم ہوتی ہے



اور نہ کسی عیسائی یا مسلمان مورخ نے اسکا ذکر لکھا ہے۔

ان اقتباسات سے ناظرین کو مترجم کی زبان اور مصنف کے خیالات کا اندازہ ہو گیا ہوگا، مترجم کی زبان اپنے زمانہ کو دیکھتے ہوئے خاصی سلیس ہے، اور ترجمہ عموماً صحیح ہے، مصنف نے الزامات کی تردید میں تحقیقی جوابات کے ساتھ الزامی جوابات بھی دیئے ہیں اور تقریباً تمام اہم سایل مثلاً معراج، جہاد، سیرۃ نبوی، تعداد از دواج وغیرہ سے اعتراضات کو رفع کیا ہے، ایک مقام پر سلطان ٹرکی کا طویل خط، سفیر انگلستان کے نام نقل کیا ہے، جو اسقدر تیز اور تند لہجہ میں ہے کہ آج بڑے سے بڑے آتش زبان اخبارات بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے خود مصنف نے اپنے ہم قوم و ہوطن انگریزوں پر تھریج کے ساتھ متعدد مقامات پر ”بد معاملگی“ ”خیانت“ ”طماعی“ اور ”بے ایمانی“ کے الزامات لگائے ہیں، اور اپنے دعویٰ کے ثبوت بھی پیش کئے ہیں، یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب سادہ دل مسلمان ہند کے نزدیک انگریزی قوم، خوش معاملگی، دیانت و صداقت کی ادتار تھی، ان اجراء کا مطالعہ موجودہ سیاسی فضا میں خاص طور پر دلچسپ ہے۔



معارف: ہمارے فضل دوست نے ”اوراق پارینہ“ کے زیر عنوان جس کتاب کا تذکرہ کیا ہے حقیقت میں وہ ابھی اسقدر پارینہ اور زیادہ رفتہ نہیں ہوئی ہے کہ اس کے یاد دلانے کی ضرورت پڑے، جان ڈیون پورٹ صاحب کی کتاب ”اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن“ کے اردو میں دو ترجمے ہو چکے ہیں ایک تو وہ جسکا بار دوست نے ذکر کیا ہے دوسرا ترجمہ بھی دینی مائین مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا تھا اس دوسرے ترجمہ کا نام ”محمد و القرآن“ ہے، اور جولاہور کے کتب فروشوں کے ہاں اب تک ملتی ہے، البتہ پہلا ترجمہ جسکا نام ”توہید الاسلام“ ہے اور جسکو مولوی عنایت الرحمن دہلوی نے کیا تھا، کم رواج پذیر ہوا، شاید اسلئے کہ اسکی طرز عبارت میں کیسقدر قدامت اور کنگنی کا رنگ جھلکتا تھا۔

جان ڈیون پورٹ صاحب کے متعلق حضرت الاتاذ علامہ شبلی مرحوم فرماتے تھے کہ یہ صاحب، سید محمود مرحوم کے پڑھانے کے لئے ولایت بین خانگی معلّم اور اتالیق کی حیثیت سے تھے لیکن نہایت لائق اور اسی کے ساتھ نہایت رحمدل اور نیکو کار تھے، مولانا حکایت کرتے تھے جسکو انھوں نے شاید سرسید کی زبان سے سنا ہوگا کہ ڈیون پورٹ صاحب معلّمی و اتالیقی و مضمون نویسی پر گذر کرتے تھے، اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتے تھے، جب مرلے لگے تو ان کے پاس اچھا خاصہ سرمایہ نکلا، انھوں نے وصیت کی کہ یہ تمام سرمایہ ان کے محلہ کے یتیم خانہ کے نام منتقل کر دیا جائے، ۱۸۶۹ء میں جب سرسید، سید حامد اور سید محمود اپنے دونوں بیٹوں کو لیکر انگلستان گئے تو انکی ملاقات جان ڈیون پورٹ صاحب سے ہوئی، یہ نہیں معلوم کہ وہ سرسید سے ملنے سے پہلے اپنی کتاب لکھ چکے تھے، یا ملنے کے بعد انھوں نے لکھی، بہر حال یہ کتاب لکھی گئی، لیکن وہ ان کوئی صاحب مطبع اس کے چھاپنے کی ہامی نہیں بھرتا تھا، اور نہ خود مصنف میں اس کے چھپوانے کی استطاعت تھی، سرسید کو جب اس کتاب کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اپنی طرف سے اسکو چھپوا کر انگلستان میں شائع کیا، اور اسکی سو جلدیں ہندوستان بھیجیں، اور اسی زمانہ میں اس کے دونوں ترجمے شائع ہوئے،

## اسوہ صحابہ

از مولانا عبد السلام ندوی

سیر الصحابہ کی ایک جلد جس میں صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق اور طرز معاشرت و معاملات ہیں، چھپکر تیار ہو گئی ہے، یہ کتاب اسلام کی عملی زندگی کا مرقع ہے، اور ہر مسلمان کیلئے اسکا مطالعہ ضروری ہے، لکھائی چھپائی کا غذا علی صفحات ۳۵۰، قیمت ہے

مکتبہ دارالاصناف



## بَابُ التَّحْقِيقِ وَالتَّحْقِيقَاتِ

### سلسلہ منتخبات

عربی شاعری کا بہترین انتخاب حماسہ ہے، اسکا جامع ابوتام خود ایک بلند پایہ شاعر لیکن "حماسہ" کے مشہور شارح تبریزی نے اپنی شرح کے دیباچہ میں لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ابوتام اپنے کلام سے زیادہ اپنے انتخاب میں بڑا شاعر نظر آتا ہے" اس میں شبہ نہیں کہ سخن فہمی کا رتبہ سخن درسی سے کسی طرح کم نہیں، استاد مرحوم (علامہ شبلی) نے "شعر العجم" اور "موازنہ انیس و دیر" لکھ کر ایران و ہندوستان کی شاعری پر جو احسان کیا ہے، اُن کو نہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا درجہ خود انکی اردو فارسی شاعری سے کم ہے، لیکن یہ جامعیت بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ اردو میں جس کثرت سے لوگ شاعر بننے کی کوشش کر رہے ہیں، اُن میں سے فیصدی اگر ایک شخص بھی سخن سنجی کا صحیح مذاق اپنے اندر پیدا کر سکتا، تو اسکا وجود زبان و ادب کیلئے یقیناً ان اشخاص سے کہیں بڑھ کر مفید ہوتا، جو محض "نوزدن و مفعی" کلام کے مجلدات میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، گو اردو شاعری بعض اصناف سخن کے لحاظ سے ابھی بہت ہی کم بایہ، بلکہ کمیر جی دامن ہے، تاہم قدیم و جدید اساتذہ کے بیان ایسے جو ہر ریزدن کی کمی نہیں جنکو اگر خس و خاشاک سے پاک کر کے یکجا کر دیا جائے، تو ہماری شاعری محض گل و بلبل اور خط و خال کی داستان یا صنائع و بدائع اور ضلع جگت کی طبع آزمائی نہیں کہی جاسکتی۔

اس ضرورت کا احساس اگرچہ ادب لطیف ہی کے شیدا یوں کو ہونا چاہیے، لیکن

ان کا دور لطافت پسندی شاید اپنے ذوق کی خدمت میں بھی کسی تلاش و کاوش کا متحمل نہیں، اسلئے انکے فرض کا بار بھی ایک کاوش طلب علم ہی کے خدشہ گزدار نے اٹھایا ہے، پروفیسر محمد الیاس برنی (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) نے اپنے مخصوص فن معاشیات (اکنامکس) میں اردو زبان کی جو گرانقدر خدمت انجام دی ہے اور دے رہے ہیں، اسکی اہمیت اور باب نظر سے مخفی نہیں، لیکن کبھی کبھی اس خشک مشغلہ سے گھبرا کر انکی زبان قلم ترمی ٹھونڈھنے لگتی ہے، جسکی ایک قسط (اسرار حق) کا پچھلے سال انہی صفحات (معارف - جولائی ۱۹۳۱ء) میں

ذکر آچکا ہے، منتخبات نظم اردو کا سلسلہ بھی پروفیسر یوسف ہی کے قلم کا تحفہ ہے،

یوں تو اردو شاعری کے کچھ نہ کچھ انتخابات پہلے سے بھی موجود ہیں، لیکن یہ زیادہ قریا تو

صرف کسی ایک شاعر سے تعلق رکھتے ہیں، یا کسی ایک مضمون پر چند شعراء کے کلام کا مجموعہ ہیں،

"سلسلہ منتخبات نظم اردو" میں شعراء اور مضامین شاعری دونوں لحاظ سے استقصا اور جامعیت

کا اہتمام کیا گیا ہے، قدیم و جدید گزشتہ دو سوودہ تمام اساتذہ سخن و لی و میر غالب و انیس سے

لیکر اقبال و حسرت تک ایک ہی موقع میں جلوہ گر ہیں۔

مضامین شاعری کے لحاظ سے اس سلسلہ کو تین موٹے عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے،

(۱) جذبات فطرت، (۲) معارف ملت (۳) اور سناظر قدرت - جن میں سے ہر ایک عنوان الگ

الگ ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے، یعنی پورا سلسلہ تین حصوں پر مشتمل ہے،

اتہک اس سلسلہ کے تین سٹ (جلد) نکل چکے ہیں، پہلا غالباً سلسلہ میں نکلا تھا، جسکا ذکر فروری

۱۹۳۱ء کے معارف میں بذیل "مطبوعات جدیدہ" آچکا ہے، اسکے بعد جلد دوم کے تینوں

حصے نکلے، مقبولیت نے مولف کی ہمت بڑھائی اور اسوقت جلد سوم ہمارے سامنے ہے، دیکھا

ہے مولف نے اس سلسلہ کو ابھی اور جاری رکھنے کی امید دلائی ہے،



ہر حصہ بجائے خود جس صنف کلام کو محیط ہے، اس کا اندازہ بہرست مضامین سے ہوگا جسکے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:-

جذبات فطرت: یاد رنگان، یزنگی عالم، دواع بلبیل، پرندے کی فریاد، پھول کی فریاد، سیل زندگی، دم داپسین، جنازہ پسر، نوہ برادر، بن ان کی بچی، قبر ابتدا سے الفت، دل سے دو دو باتیں، ستیا جی کی منت و زاری، حب وطن، ترانہ ہند، نوہ دہلی، نیا سوال، شب و شاعر، نگاہ الفت، موسیقی، یاد آیام، انقلاب، عبرت، کاسرہ سر، طالعلم کی امید، روز عید، بھو اکول (بیارغور)

معارف ملت: معرفت، احمد، مناجات، شوق مدینہ، نام کے مشائخ، قحط علم، قحط اہل اللہ، کوشش، راہ ترقی، استقلال، پیام عمل، اصلا سے عزم، رہبران قوم، احراق قوم، کافر نس، سلم لیگ، سلم یونیورسٹی، وقت ملازمت، علم کی قوت، برق کلیسا، گلے شرفاء، نئے جنتیلین، پردہ، مہری کونسل، مقصد زندگی، قدر فرصت، محنت، ایک وقت میں ایک کام، آداب محفل، روز وحدت، نزول وحی، طلسم حقیقت، حقیقت عالم، ترانہ حیات، شاہ اسلام، سپاسنامہ اردو، وصف سخاوت، اندست تکبر، جہل مرکب، مہذب بیوی، عاشق رسول،

منظر قدرت: ظہور صبح، پل پر شام تنہائی، چاندنی اور تالاب، سمندر کی رات، پہلی رات، برسات، جھولا، شہر کی برسات، گرمی کا موسم، دہرہ دون کی سیر، صبح بنارس، وہاں کے کہیت، آنہ ہی جاڑے کی بارش، گلاب کا پھول، آسمان کی بہار، جونپوری خربزہ، احباب اسکون، مقبرہ نیر جہان، مرغابی، تتلیاں، جگنو، ایک حسین لڑکی، عروس، اما، نوشہ کا حمام، شیوشنکری کی برات، دہن کی رخصت، سیلے کی سیر، مراجعت وطن، تاج محل،

یہ اقتباسات زیادہ تر خطبہ دوم سے اخذ ہیں، ہر سٹ کا ہر حصہ کم و بیش نئے عنوان پر مشتمل ہے۔

ریل گاڑی، اپن چکی، دوشیزہ، تصویر غازی، نور پاشا، چھیلا، پیری، پتنگ بازی، مرغ بازی، دیوالی، ہولی، سوانگ، بولڈ بولڈ، موس، قدیم سواری، چور چکار،

کیا اس مجموعہ کے پیش نظر ہونے کے بعد بھی اردو شاعری کے دامن پر یہ داغ رہتا ہی کہ وہ محض وصل و ہجر کی حکایات کا طومار ہے، اس میں کلیمین کہ مذکورہ بالا مضامین میں تعلیم ستاندہ کا حصہ کم ہے، لیکن یہ وقت کی بات تھی جس سے نفس اردو کی سانی صلاحیت پر کوئی حرف نہیں آتا، اردو کی زمین ہر رنگ دلو کے پھول کہلا سکتی تھی، صرف موسم کے آنے اور ہوا کے بدلنے کا انتظار تھا، کہ چمن کی ہر روش گلزار ہو گئی۔ پھر بھی تلو یہ سلوم کر کے حیرت ہو گی کہ کبری، بتی، بلاؤ، چھیلا، ہولی، شادی کی دھوم، بارش اور شکار وغیرہ پر خالص وصف نگاری کی نظمیں تیر تک کے ان موجود ہیں،

مولف نے یہ بالکل سچ لکھا ہے کہ،

”ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ہم پتہ ہونا نہ ممکن ہے نہ مطلب بعض نظمیں

جو ادنیٰ لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کیجا یں، اسلئے خاص طور پر قابل قدر ہیں کہ وہ پہلے

پہلے نئے نئے مضامین کے خاکے ہیں۔۔۔۔۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف

ادبی مذاق پر بار ہون تو امید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے، (دیباچہ صفحہ ۲-۳)

بایں ہمہ ان انتخابات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی صاحب انتخاب کی کاوش و سخن سنجی کی بے ساختہ داد دینے کا جی چاہتا ہے، البتہ ترتیب کے متعلق چند باتیں محتاج توجہ ہیں،

(۱) چونکہ ہر قسم کے مضامین شعری کو تین عنوانات کی تحت میں لانے کی کوشش کی گئی ہے اسلئے قدرۃ بعض مضامین عنوان کتاب کے ساتھ سیل نہیں کہاتے، مثلاً دلی دربار چور گردی، میدان جنگ، تلوار، تاج محل، ریل گاڑی، تصویر غازی، نور پاشا وغیرہ کے مضامین جو



حسن ترتیب کے ساتھ حسن انتخاب کا حق بھی اچھی مزید توجہ چاہتا ہے، مثلاً محروم کی اس ابتداءے الفت " (جذبات فطرت" جلد دوم) کے ساتھ کہ،

ہم انہیں دیکھا کئے اور وہ ہمیں دیکھا کئے  
ہم پہلی نگاہ میں اجنبیت کے مرے  
آنکھیں قدرۃ حسرت کے اس آغاز الفت کو ڈھونڈ رہی ہیں کہ

یاد ہیں سارے وہ عیش با فراغت کے مرے  
دل بھی بھولا انہیں آغاز الفت کے مرے  
حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے  
اب کہاں سے لاؤں وہ نادانیت کے مرے  
اس غزل کا ہر شعر پر کیف ہے۔

اسی طرح میر کی اس حقیقت عالم " (معارف ملت جلد سوم) کے پہلو میں کہ

کچھ نہیں اور دیکھیں ہیں کیا کیا  
خواب کا سا ہے بیان کا بھی عالم

ہستی اپنی حباب کی سی ہے  
یہ نائش سراب کی سی ہے

جذبات غالب کے حقیقت نگار قلم کے یہ نقوش سامنے ہونے قطعاً ناقص رہیگا۔

ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد  
عالم تمام حلقہ دوام خیال ہے

ہاں کہا یوسف فریب ہستی  
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود  
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے میں خواب میں

مولف کے اہتمام جامعیت سے اسید ہے کہ آئندہ جلد میں تصویر کے باقی خط و خال بھی

نمایان ہو جائیں گے۔

جلد سوم میں ایک دلچسپ جدت کی گئی ہے، یعنی ایک ہی مضمون پر ایک ہی شاعر کے

متفرق اشعار چن کر یکجا کئے ہیں، مثلاً "شکایت الفت" "کیفیت عشق" "قاصد" وغیرہ عنوانات کے

تحت میں میر کے بہت سے ہم مضمون اشعار ایک ہی سلک میں منسلک ہیں۔

وصف نگاری سے تعلق رکھتے ہیں، انکو مناظر قدرت کی تحت میں داخل کرنا نہایت ہی  
"اموزن معلوم ہوتا ہے، اسی طرح "شہزادہ کے گم ہونے پر اتم" کی صحیح جگہ "مناظر قدرت کے بجائے  
جذبات فطرت میں تھی، "دشیرہ" "چونٹی" "جگنو" "ہاتھی" وغیرہ کو بھی مناظر قدرت (پنچرل سنسری)  
کہنا برا معلوم ہوتا ہے، اس حصہ کا نام "کائنات قدرت" (یعنی پنچر) زیادہ مناسب ہوتا، وسعت  
بھی پیدا ہو جاتی،

جذبات فطرت اور معارف ملت میں بھی اس قسم کی بعض ناہمواریاں موجود ہیں،

آخر الذکر عنوان اخلاقی، انسانی شاعری کے ساتھ فلسفہ و تصوف کے اسرار و حکم کو بھی محیط ہی، لیکن

ان سب کو ایک ہی رشتہ میں گوندھنے کے لئے معارف ملت سے بہتر کوئی عنوان نظر نہیں آتا،

(۲) ایک ہی مضمون کا کلام، جو بعض صورتوں میں ایک ہی شاعر کا بھی ہے، مثلاً "برسات"

کی نظمیں تم کو تینوں جلدوں کے حصہ "مناظر قدرت" میں ملین گی، "نود صبح" اور "ظہور صبح" ایک

مضمون اور ایک ہی شاعر (انیس) کی دو مختلف نظمیں، دو مختلف حصوں میں درج ہیں، اسکی

وجہ غالباً یہ ہے کہ جب ایک جلد کا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، تو وہ شائع کر دیا جاتا ہے، پھر اگر اسی

مضمون یا اسی شاعر کا کلام کچھ اور دستیاب ہوتا ہے تو آئندہ جلد کے حصہ میں آتا ہے۔ گو

اس سے ترتیب میں ذرا پرگندگی محسوس ہوتی ہے، تاہم ہر جلد تقریباً ہر قسم کی نظموں پر مشتمل

ہونے سے مختلف الامان و ستر خوان کا لطف ضرور رکھتی ہے،

(۳) ہر حصہ میں اگرچہ بجائے خود اس حسن ترتیب کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایک صنف کے

مضامین ایک ہی سلسلہ میں درج ہوں مگر کہیں کہیں اس میں بھی خلل نظر آتا ہے، مثلاً "مینیہ کی جوگن"

"شوق مینیہ" اور "آمداد مینیہ" "شفاعت مینیہ" کے پیچ میں "سفر آخرت" کی نظم، یا "مہولی" اور  
"دیوالی" کے پیچ میں "صراف" کی نظم آ جاتی ہے،



لیکن ان چیزوں میں ابھی بہت زیادہ اضافہ کی گنجائش ہے۔

بعض عنوانات کے نحوی سمجھات بھی آئندہ ادیشن میں ترمیم طلب ہیں، مثلاً ”دپہر سرا“

”پہر سرا“ کا ”نامہ بلاؤ“ ممبری کونسل، وغیرہ کی اضافت۔

ان خفیف جزئی فروگزاشتوں کے باوجود ”سلسلہ منتخبات نظم اردو“ اردو

شاعری کا ”سلسلہ الذہب“ ہے، اور بلا پس و پیش کہا جاسکتا ہے کہ اس سے

بہتر جامع ترکوئی انتخاب موجود نہیں۔

کہانی چھپائی اور جلد بندی کا اہتمام بغایت دیدہ زیب ہے، ہر حصہ جسکی ضخامت ڈیڑھ سو

صفحے سے زیادہ نہیں ہے، ۳۰ x ۲۰ کی چھوٹی تقطیع کا ایک نہایت ہی خوبصورت جلد ہے

تینوں سٹ جنکو چھوٹی چھوٹی نو کتابوں کا ایک مختصر کتبخانہ کہنا چاہیئے، تحائف و انعامات

کے لئے خاص طور پر یوزوں ہیں،

ہر حصہ کی قیمت ۷ روپے، اور ملنے کا پتہ،

(۱) ”محمد مقتدی خان شروانی علی گڑھ“

(۲) ”محمد الیاس برنی، جام باغ، حیدرآباد (دکن)“

(۳) ”شیخ مبارک علی، لہاری دروازہ لاہور“

— ❦ —

## مطبوعات جدید

تفسیر سورہ فاتحہ، سورہ فاتحہ کا نام ام الکتاب ہے، یعنی وہ قرآن مجید کی اصل اور

قرآن مجید کے تمام حقائق و اسرار کو جامع اور محیط ہے، اس بنا پر علمائے خاص سورہ فاتحہ کی

تفسیر اس پہنچ پر لکھی ہے کہ تمام قرآن مجید کی روح اور عطر اس ایک سورہ کے اندر آجائے

اردو میں اب تک اس سورہ مبارکہ کی ایسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی تھی، جناب مولوی محی الدین احمد صاحب

بی، اے، قصوری، سابق مدیر اقدام (کلکتہ) و ناظم جمعیت دعوت و تبلیغ اسلام (پونہ) نے جو

مدت تک مولانا ابوالکلام صاحب کے درس قرآن میں شریک رہ چکے ہیں، اس سورہ کی اردو میں

ایک مبسوط و مفصل تفسیر لکھ کر شائع کی ہے، طرز بیان موثر، طریقہ ادا سہل و آسان، اور قرآن مجید

ہی کی آیتوں کی مدد سے مطالب کی تشریح کی ہے، جا بجا حالات موجودہ کی طرف بھی اہم اشارات

پائے جاتے ہیں، قوموں کے انحطاط اور جماعتوں کے فساد اخلاق کے اصول و قوانین اور

قرآن مجید سے ان کے طرق علاج و تدبیر کی تفصیل کی ہے، مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا

کہانی چھپائی کا غدغدہ، تقطیع چھوٹی، خط باریک، صفحات ۳۰۸، قیمت ۷ روپے، پتہ:

اہلئال بک ایجنسی، شیرالوالہ دروازہ لاہور،

کلیات شیفٹہ و حسرتی، نواب عظیم الدولہ محمد مصطفیٰ خان المتخلص بہ شیفٹہ و حسرتی،

دہلی کی اس آخری بزم کے رکن تھے جو شہ کے غدر کے بعد بھی شاہجہان کے دارالسلطنت میں

قائم تھے، شیفٹہ کا اردو اور فارسی کلام اساتذہ کے رنگ کا ہے، نواب حاجی محمد اسحاق خان صاحب

مرحوم خلف الصدق نواب شیفٹہ مرحوم نے شیفٹہ کے اردو اور فارسی کلام کے مجموعہ کو یکجا کر کے



طبع کر یا تھا، اکثر غزلیں، غالب دوسن کی غزلوں کی مطوح، بین اکہائی چھپائی کا غز عمدہ، شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں شاعر کے حالات و واقعات درج ہیں، قیمت غار پتہ: مصطفیٰ کیسل، میرٹھ،

حزون اختر، دائرہ ادبیہ لکھنؤ تعریف کا مستحق ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے ادبی و علمی سائل کا سلسلہ وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے، طبع و شاعت میں لطافت اور حسن سلیقہ بھی ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے، اس جمل قید و بند کا دور ہے، شاید اسی مناسبت سے ملک اودھ کے آخری اسیر فرما زاد اوجھل شاہ اختر نے اپنی قید کے حالات میں اردو میں جو ثنوی لکھی تھی دائرہ ادبیہ نے اسکو چھوٹی قطع پر شائع کیا ہے، جلد اور جلد پر کتاب کا سنہ زام سلیقہ مندی کو ظاہر کرتا ہے، مظلوم قیدی کا بیان خود مظلوم قیدی کی زبان سے جقدر موثر ہو سکتا ہے، اسی قدر یہ ثنوی حسرت انگیزی آغاز میں مولوی عبدالحکیم صاحب شرر کا ایک دیباچہ ہے، مولوی صاحب کی ابتدائی زندگی تیار جین گذری ہے اسلئے ان کے قلم سے اس داستان کی تقریب و تمہید نہایت دلچسپ ہے، صفحات ۵۰، قیمت غیر مجلد، ر مجلد مطلقاً، پتہ دائرہ ادبیہ لکھنؤ،

اسلام کا اثر یورپ پر، معارف میں اس عنوان سے قاضی احمد بیان اختر جو ناگروہی کا ایک بسودا مضمون شائع ہوا تھا، جس میں خود مورخین یورپ کے بیانات سے اسلام کے ان اثرات کو دکھایا گیا تھا جو یورپ کے تمدن پر پڑے ہیں، دائرہ ادبیہ نے اس مضمون کو اپنے سلسلہ میں داخل کر کے ایک مستقل سالہ میں شائع کر دیا ہے، رسالہ پر معلومات ہی، قطع چھوٹی، ضخامت ۶۶ صفحات، جلد خوبصورت، لکھائی چھپائی بھی قیمت غیر مجلد، ر مجلد مطلقاً، پتہ دائرہ ادبیہ لکھنؤ،

دائرہ ادبیہ مشورہ دینا بیجا نہ ہوگا کہ وہ اپنے سلسلہ کے تمام مطبوعات کو ایک ہی قطع پر شائع کرے تاکہ یکسانی و ہم نامی اس کے پورے سلسلہ کے حسن و لطف کو دوبا لا کر دے،

### مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں جو مدین اصحاب لایک، قوم یارب، بنو امییل، اصحاب لرس، اصحاب انجیل، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱، سیرۃ عائشہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ منی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی، قرون اولیٰ کی خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب اور ام المؤمنین کے فضائل و مناقب اور ان کے اجتہادات و کمالات پر فصل تبصرہ ضخامت ۲۵۰ صفحہ قیمت

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی دشمنی، دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترجمہ، دوسری ریڈر طبع دوم، رسالہ اہل سنت، الجماعت فرقہ اہل سنت و جماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق، ۸

بہادر خواتین اسلام، ۲

### مولانا عبد السلام ندوی

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، یعنی اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی مفصل سوانح عمری اور ان کے عہد حکومت کے تمام علمی مذہبی و سیاسی کارناموں اور ان کے مجددانہ اعمال کی تشریح و توضیح صفحہ ۱۹۰، قیمت

مولوی عبد الباری ندوی

برکے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکے کے حالات زندگی اور اسکے فلسفہ کی تشریح مجدد، غیر مجلد، مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکے کی مشہور

کتاب پر سیر فی زمین الحج کا نہایت عمدہ اور سنجیدہ ترجمہ، مذہب و عقلیات اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب و عقل میں تضاد کم کا امکان ہی نہیں

مولوی عبد الماجد بی اس

فلسفہ جماع، جماعات انسانی کا علم نفس، فلسفہ جذبات، طبع جدید مع ترجمہ، تاریخ اخلاق یورپ، لکھی کی اصل بشری آف یورپ، ترجمہ جلد اول قیمت

ایضاً، جلد دوم

مکالمات برکے، برکے کے فلاسفس کا ترجمہ علم دل، ۵

ایضاً، قسم دوم

پروفیسر سید نواب علی الیم اس

معارف الدین، جدید علم کلام پر ایک معتقد تصنیف و فلسفہ

جدید و مذہب کا باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ، تاریخ صحف سماوی، تورات انجیل و قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات و رد بار، مجمع قرآن کا جو قسم اول ہے دوم سے

مولوی محمد یونس مسرگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیسان کی کتاب جماعت ہے

انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۲، ۵

مولوی عبد الحق بی اسے منصف لکھنؤ

اساس تعلیم، فن تعلیم پر ایک فلسفہ تصنیف، ۵

مفتی انوار الحق صاحب نظام تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، ۵

تذکرۃ الجلیب، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع و خیر و خوبی، ۵



منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال  
انسان علم خواہ اور اعضا کے ابتدائی مسائل سلیس  
و عام فہم زبان میں قیمت ۸

رموز فطرت طبعیات طبقات ارض ہیت و جغرافیہ  
طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت میں  
منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال  
بیگمات بھوپال، مصور و مجلد ۸

گبارہ قصے، خلاقی، معاشرتی و مذہبی ۸  
نعت پیر، عربی، فارسی و اردو کی چند نعتیں نظم و نثر  
پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی  
الاستلال، ہین علم منطق کے مول نہایت خوبی و عمدگی

کتب سلیس زبان و سہل طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں صفحہ ۲۰۱ سے  
الانسان، ہین انسان کے تمام توانا نفسانی و جسمانی اور  
خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۳ قیمت ۶  
تہلیل البلاغت ۸

مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء  
یا دایا م گجرات کی ہندو تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے گئے  
ہین وہاں کے امراء و وزراء علماء اور مشائخ کے حالات  
اور علوم و فنون کی ترقی غایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے  
لکھی گئی ہے صفحہ ۴۴ قیمت ۸

سوراج از مہاتما گاندھی اردو ۸  
بدیہہ کوئی از ہوش بلکرای ۸

## قواعد کنیت اراصفین ترمیم جدید

۱۔ ہر شخص جو دارالمصنفین کو اکثریت اکثر کرے گا وہ "رکن دائمی" قرار دیا جائیگا، اور وقت کنیت سے دارالمصنفین کی تمام  
مطبوعات مالدن و سالانہ اس کے ہدیہ دیجا یا کرینگلی،

۲۔ جو دارالمصنفین کو عشرہ سالانہ اکثر کرے گا وہ "اول رکن اعانت" ہوگا اور اس کو سال بھر تک مجلس کا مہر و سالانہ  
(معارف) اور سال کی تمام مطبوعات بلا قیمت نذر کی جائینگلی،

۳۔ عشرہ سالانہ اکثر کرے گا اور رکن اعانت ہوگا، اس کو معارف بلا قیمت اور دیگر مطبوعات نصف قیمت پر دیجا یگلی،

## معارف

۱۔ معارف کی سالانہ قیمت مہر و اد قیمت فی پرچہ ۸ (۲) نمونہ کا پرچہ مہرین دی پالی ہوگا، (۳) رسالہ ہر ماہ کے آخر  
میں شائع ہو جاتا ہے، ہین ہر ماہ تاخیر نہیں ہوتی، اگر کسی صاحب کے پاس ۳۰ تاریخ مکمل ہو چکے تو دوسرے مہینے کے پہلے  
ہفتہ مکمل اطلاع دین و در بعد کو اکثر پرچہ قیمت بھیجا جائیگا، ہندوستان سے باہر کے خریدار دوسرے مہینے کی خبر تاریخ مکمل اطلاع کرے  
۲۔ خریدار ملن معارف خری خط و کتابت میں اپنا نام خریداری ضرور تحریر کریں، تفصیل میں وقت و مہر و اد قلم مہر سی ہوتی ہر  
۳۔ قومی مجنون و کتابتوں اکثر قیمت کی یا تخفیف قیمت کی درخواستیں آتی ہیں ان سوس ہر کتاب کی تفصیل کی قدرت نہیں۔

پروفیسر مسعود علی ندوی